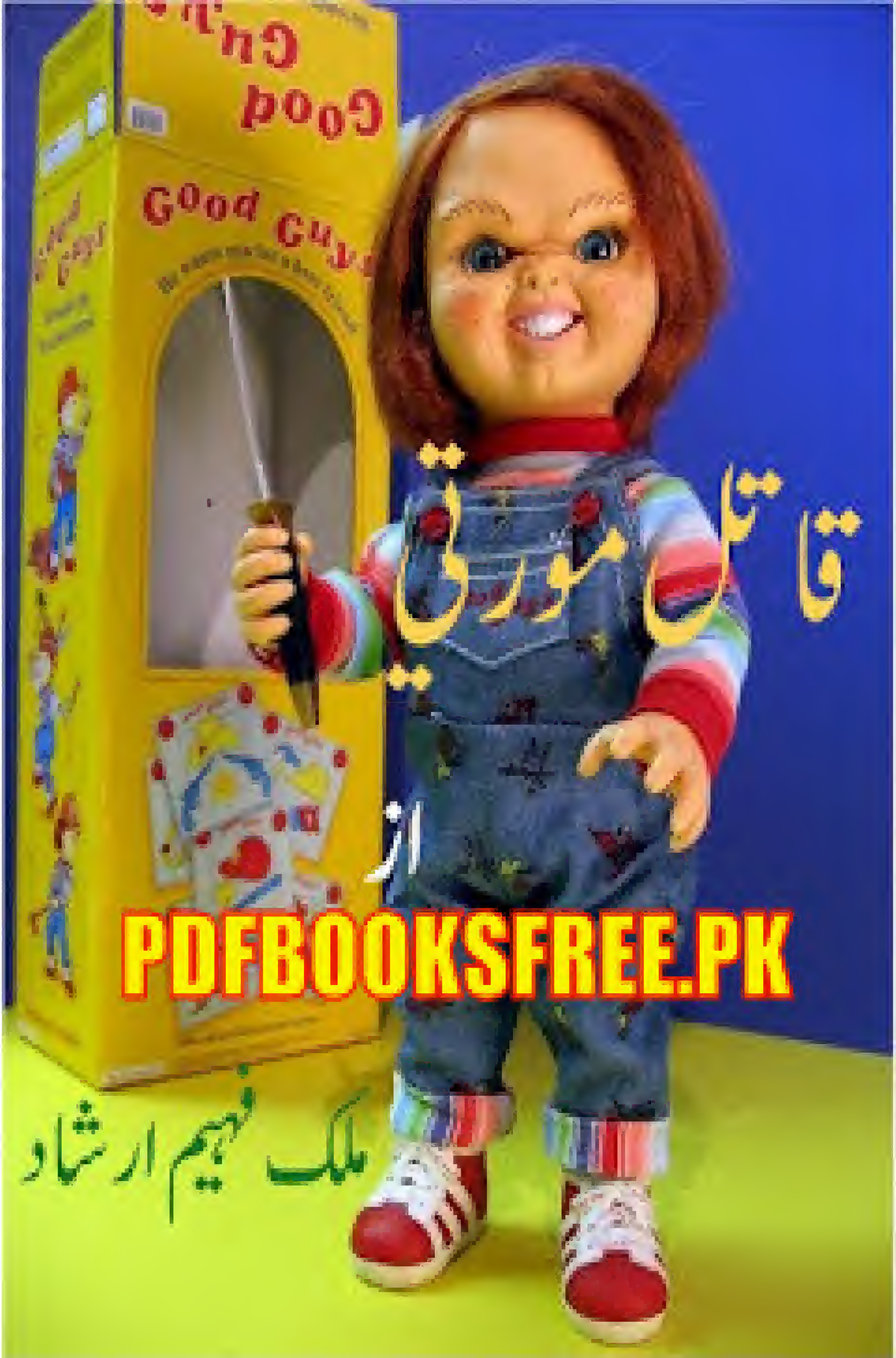

Good Guys
Good Guys
قاتل مورتی
از
PDFBOOKSFREE.PK
ملک فہیم ارشاد

# قاتل مورتی

ملک فہیم ارشاد۔ ڈجکوٹ فیصل آباد

**شماکا نے غور سے دیکھا تو انسپکٹر کے ہاتھ سے پستول اچانک غائب ہوگیا اور انسپکٹر ہوا میں معلق ہوگیا کہ پھر اچانک شماکا کی دلدوز چیخ بلند ہوئی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے اور پھر اچانک......**

صدیوں پرانی مورتی جس کے پاس بھی جاتی اسے موت سے ہمکنار کردیتی، لیکن کیوں؟

**شام** کے سائے ہرطرف پھیلنا شروع ہوگئے تھے، پرندے غولوں کی شکل میں اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف اڑے جارہے تھے۔ پروفیسر عباس نے خیمے سے باہر اپنا چہرہ نکالا تو خوشگوار اور ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے چہرے کا استقبال کیا، پروفیسر عباس کو ایک عجیب سی راحت محسوس ہوئی، اس نے خیمے کی زپ کھولی اور باہر نکل آیا......

"سلام صاحب......" ایک طرف کھڑے پہریدار نے اسے سلام کیا۔ پروفیسر نے صرف سر ہلانے پر ہی اکتفاء کیا، باہر دائرے کی شکل میں کافی خیمے لگے ہوئے تھے۔

ایک طرف کافی بڑا گڑھا کھودا گیا تھا اور اس گڑھے میں ایک گنبد کا ابتدائی حصہ واضح نظر آرہا تھا ایسے گنبد صدیوں پہلے سے بادشاہوں کے محلوں کے ہوا کرتے تھے، گڑھے میں گنبد کا نظر آنا یقیناً خیمے میں موجود مزدوروں کی محنت کا نتیجہ تھا۔ گڑھے سے تھوڑی دور درختوں کا جھرمٹ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا اس گڑھے کے گرد دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ایک کرسی پر ایک نوجوان ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑے ہوئے بیٹھا ہوا تھا، وہ پروفیسر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر مسکرایا اور پھر پروفیسر کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑا ہوا

"ہیلو داؤد کیسے ہو تم؟" پروفیسر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم فائن سر۔" داؤد نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اس نے اپنی چائے کا کپ سامنے پڑی میز پر رکھا اور میز پر پڑی کیتلی اٹھا کر دوسرے خالی کپ میں چائے ڈالنے لگا۔ "سر آپ شوگر کتنے چمچ لیں گے۔" داؤد نے پوچھا۔

"صرف ایک چمچ۔" پروفیسر نے کہا اور داؤد چائے میں چینی مکس کرنے لگا، ان کے بالکل سامنے سورج ڈوبنے کا منظر واضح نظر آرہا تھا۔ "سر سن سٹ کا یہ منظر کتنا دلفریب ہے۔" داؤد نے کہا۔

"ہاں بہت دلفریب ہے۔" پروفیسر نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"سر ہماری محنت کچھ رنگ لے آئی اتنی کھدائی کے بعد ہم اس گنبد کا ابتدائی حصہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔" داؤد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پہلے پہل تو مایوسی سی ہونے لگی تھی مگر اس ساری محنت کا سہرا تو ان مزدوروں کو جاتا ہے جنہوں نے اتنی احتیاط سے مینار کا اتنا حصہ زمین کی قید سے نکالا۔" پروفیسر نے کہا۔

"سر مزدور کافی محنتی ہیں۔" داؤد نے چائے کا ایک اور گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"داؤد ابھی تو اس گنبد کے نیچے چھپے محل کو نکالنا ہے ہمیں، جس میں کافی وقت لگے گا۔" پروفیسر نے کہا۔

"سر ہر کام میں وقت تو لگتا ہی ہے......" داؤد نے مسکراتے ہوئے کہا...... "لیکن سر مجھے یقین ہے یہاں سے ہمیں ملے گا بہت کچھ۔"

"ابھی سے کچھ نہیں کہا جا سکتا داؤد۔" پروفیسر نے کہا اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی پروفیسر کے موبائل کی رنگ ٹون جاگ اٹھی۔ پروفیسر نے جیب سے موبائل نکالا اور یس کا بٹن پریس کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔ "ہیلو پروفیسر عباس بات کر رہا ہوں؟ آپ کون بول رہے ہیں؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب......" پروفیسر کے کانوں میں ایک عجیب سی کھردری آواز پڑی...... "مجھے تو آپ پہچانتے ہی ہوں گے؟"

"اوہ" حیرت کے باعث پروفیسر کے منہ سے نکلا۔ "تت...... تم"

"ہاں پروفیسر صاحب میں...... لگتا ہے آپ نے مجھے پہچان لیا ہے۔" دوسری طرف سے قہقہہ لگاتی آواز میں کہا گیا۔

"ہاں...... ہاں میں تمہیں پہچان گیا ہوں۔" پروفیسر ہکلایا۔ داؤد بھی اب پروفیسر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"تو پروفیسر صاحب کامیابی کی پہلی سیڑھی آپ کو مل ہی گئی۔" دوسری طرف سے کہا گیا تو پروفیسر کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ "یہ...... یہ تم کیسے جانتے ہو۔" پروفیسر ہکلایا تو دوسری طرف سے ایک زوردار قہقہے کی آواز پروفیسر کے کانوں میں پڑی۔ "میں بہت کچھ جانتا ہوں پروفیسر صاحب آپ ذرا کام کی رفتار بڑھا دیں۔"

"کام کی رفتار بالکل ٹھیک جا رہی ہے اگر رفتار زیادہ بڑھائی تو نقصان بھی ہو سکتا ہے وہ گنبد ٹوٹ بھی سکتا ہے......" پروفیسر نے کہا۔

"چلئے آپ کی بات مان لیتے ہیں پروفیسر صاحب...... آپ کا کام ہے، آپ بہتر جانتے ہیں لیکن ایک بات کی میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"وہ کیا؟" پروفیسر نے ماتھے پر شکنیں ڈالیں۔

"آپ کی یہ کھدائی بہت فائدہ مند ثابت ہوگی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"یہ...... یہ تم کیسے جانتے ہو؟" پروفیسر نے کہا۔

"پروفیسر صاحب میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ ملے گا تو یہاں سے بہت کچھ مگر میرے کام کی صرف ایک چیز ہوگی اور وہ جب آپ کو ملے گی تب مجھے پتہ چل جائے گا...... آپ فکر نہ کریں، وہ جب ملے گی تب میں آپ سے ملوں گا، اب میں اجازت چاہوں گا۔" اتنا کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ پروفیسر نے ایک گہری سانس کھینچی اور موبائل جیب میں ڈال لیا۔

"کس کا فون تھا پروفیسر صاحب؟" داؤد نے خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اسی کا جس نے ہمیں اس جگہ کھدائی کرنے کو کہا تھا۔" پروفیسر نے بتایا۔

"پروفیسر صاحب آپ بھی کس بیوقوف کی باتوں میں آ گئے مجھے تو وہ کوئی چالباز لگتا ہے۔" داؤد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"نہیں داؤد میرے خیال میں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس کی کہی ہوئی بات کافی حد تک سچ بھی ہوئی ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"لیکن یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے پروفیسر صاحب۔" داؤد نے کہا۔

"لیکن داؤد مجھے اس کی باتوں میں سچائی نظر آتی ہے اس کی پیشین گوئی ہے کہ ہمیں یہاں سے بہت کچھ ملے گا جس میں سے اس کے کام کی صرف ایک چیز ہوگی۔" پروفیسر نے بتایا۔

"وہ کیا چیز ہے پروفیسر صاحب؟" داؤد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔" پروفیسر نے بتایا اور خالی کپ میز پر رکھ دیا۔ "اس کی بات سچی ہے یا جھوٹی اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں داؤد اور ویسے بھی اپنا کام تو ہے ہی یہی اور ہمیں یہاں سے ملنے کے کچھ آثار بھی نظر آ رہے

ہیں۔" پروفیسر نے اٹھتے ہوئے کہا ساتھ ہی داؤد بھی اٹھ کھڑا ہوا۔"اب میں چلتا ہوں داؤد صبح اس کام کو آگے بھی بڑھانا ہے۔"

دوسرے دن پروفیسر کی آنکھ کھلی تو داؤد اس کے سامنے کھڑا تھا جو خاصا گھبرایا ہوا تھا۔"کیا ہوا داؤد؟ تم خاصے گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔" پروفیسر نے بیڈ کے پاس پڑے چھوٹے سے ٹیبل پر سے اپنی موٹے شیشوں والی عینک اٹھاتے ہوئے کہا۔

"وہ جی..... جلدی چلیے پروفیسر صاحب" داؤد پریشانی کے عالم میں تیز لہجے میں بولا۔

"لیکن کہاں؟ تم کچھ بتاؤ گے بھی۔" پروفیسر کی بے چینی مزید بڑھ رہی تھی۔

"وہ..... وہ باہر ایک مزدور کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔" داؤد نے بتایا۔"اوہ تو۔" پروفیسر پریشان کن لہجے میں گویا ہوا ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا دونوں خیمے سے باہر آئے۔ پروفیسر نے دیکھا خیموں سے دور مزدور ایک جگہ جمع تھے اور اس ہجوم میں ایک مردانہ چیخ بار بار گونج رہی تھی جو یقیناً اس مزدور کی تھی جسے سانپ نے کاٹا تھا۔ پروفیسر اور داؤد اس ہجوم کے قریب آئے تو وہاں موجود مزدوروں نے انہیں راستہ دیا، دونوں نے دیکھا ایک مزدور زمین پر پڑا بری طرح تڑپ رہا تھا، پاس ہی خون سے نہایا ہوا کالے رنگ کا ایک بے جان سانپ پڑا ہوا تھا جسے یقیناً مزدوروں نے لیپٹے مار ڈالا تھا۔

وہ سانپ عام سانپوں سے کافی بڑا تھا، اس مزدور کا زخم دیکھ کر پروفیسر چونکا کیونکہ وہ زخم سانپ کے کاٹے سے بالکل مختلف تھا۔" داؤد اس مزدور کو جلدی سے ڈاکٹر شازیہ کے خیمے میں لے جاؤ..... چلو، جلدی کرو....." پروفیسر نے داؤد کو حکم دیا، داؤد نے جلدی سے دو مزدوروں کو ساتھ لیا اور تڑپتے ہوئے مزدور کو اٹھایا اور ایک بڑے سے خیمے کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر شازیہ کے خیمے سے اس مزدور کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں، پروفیسر نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور خیمے میں داخل ہو گیا، پروفیسر نے دیکھا اس مزدور کو ایک لمبی سی میز پر لٹایا گیا تھا اور دو تین آدمیوں نے اس مزدور کو پکڑا ہوا تھا مگر وہ مزدور تکلیف کی شدت سے بری طرح مچل رہا تھا اور اس کی چیخیں عروج پر تھیں، ڈاکٹر شازیہ ہاتھ میں انجکشن لئے کھڑی تھی، پروفیسر اس ٹیبل کے قریب پہنچا، اور وہاں موجود باقی افراد نے ایک عجیب اور ہولناک منظر دیکھا اس مزدور کے پیر میں جو زخم تھا اس میں ایک عجیب سی ہلچل پیدا ہوئی اور پھر زخم پھٹا جس کے چھینٹے پاس کھڑی ڈاکٹر شازیہ کے کپڑوں پر پڑے اور پھر اس زخم سے ایک عجیب سی چیز نکلنا شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر شازیہ کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی، اس آدمی کی چیخوں میں بھی مزید اضافہ ہو گیا جب وہ چیز مکمل طور پر باہر نکلی تو خیمے میں موجود لوگوں نے دیکھا وہ ایک کالے رنگ کا دو موہا کیڑا تھا جو تیزی سے میز پر سے اترنے کے لئے اس مزدور کی ٹانگ سے رینگتا ہوا نیچے اترا ایک بار پھر ڈاکٹر شازیہ چیختی ہوئی تیزی سے پیچھے ہٹی، وہاں موجود افراد کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں زمین پر گرتے ہی وہ کیڑا تیزی سے ایک طرف رینگنے لگا۔ پروفیسر تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے جوتے کی نوک سے اس کیڑے کو مسل دیا۔

"یہ..... یہ کیا تھا؟ پروفیسر صاحب" ڈاکٹر شازیہ پریشان نگاہوں سے پروفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے ہکلائی۔ پروفیسر نے انجانے میں کندھے اچکائے"حیرانگی والی بات ہے شازیہ ایک سانپ کا کاٹا اتنا بڑا خوفناک زخم" پروفیسر پریشان کن لہجے میں بولا۔ مزدور اب بے ہوش ہو چکا تھا....."خیر چھوڑو شازیہ تم اس مزدور کی ٹانگ کا علاج کرو۔"

"سر میرے پاس اس وقت میڈیسن اور انجکشن کی کمی ہے جو اس مزدور کے علاج کے لئے استعمال ہوں گی، وہ میڈیسن شہر سے لانی ہوں گی لیکن جلد از جلد اگر ہم نے دیر کی تو شاید مزدور کی ٹانگ کاٹنا پڑے۔" ڈاکٹر شازیہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ہوں....." پروفیسر نے ایک گہری سانس کھینچی پھر اس نے ایک طرف کھڑے داؤد پر نظر ڈالی۔"ایسا کرو تم شہر جا کر ڈاکٹر شازیہ کی ہدایات کے مطابق میڈیسن لے آؤ جلد از جلد..... تم کل صبح تک تو واپس آ جاؤ گے ناں۔"

"جی ہاں! وہ بھی اگر میں ابھی نکلوں تو" داؤد نے



کہا۔

"ٹھیک ہے میری گاڑی تمہیں اسٹیشن تک چھوڑ آئے گی۔" پروفیسر نے کہا تو داؤد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"شازیہ تمہیں جو جو میڈیسن چاہئے وہ داؤد کو لکھ کر دو یہ شہر سے لے آئے گا..... پروفیسر نے کہا تو شازیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پروفیسر سر ہلاتے ہوئے اس خیمے سے باہر نکل گیا۔

مزدور دوبارہ کام پر لگ چکے تھے۔ پروفیسر اپنے خیمے میں آیا اور ایک طرف رکھی ٹیبل کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا وہ اس ہونے والے حیرت انگیز واقعہ کے بارے میں سوچنے لگا تھوڑی دیر بعد خیمے میں داؤد داخل ہوا....."ٹھیک ہے سر پھر میں چلتا ہوں۔" داؤد نے بظاہر اجازت چاہی۔

"ٹھیک ہے داؤد..... جلدی کوشش کرنا آنے کی" پروفیسر نے کہا تو داؤد نے اثبات میں سر ہلایا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

حامد اور سرمد اس گاؤں کے لفنگے نوجوان تھے، گاؤں کے لئے وہ سر درد بنے ہوئے تھے اور ماں باپ کے لئے بوجھ..... کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے..... یہی نہیں چھوٹی موٹی چوریاں بھی ان کا کام تھا، اس وقت وہ جھیل کے کنارے بیٹھے پانی میں پتھر پھینک رہے تھے....."یار حامد بڑے دن ہوئے جیب خالی ہے۔" سرمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں میرا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔" حامد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"باپ تو بڑی مشکل سے میری طرف دیکھتا ہے، جب گھر جاتا ہوں تو کھانا دینے کے بجائے طعنے دیتا ہے ماں کا بھی یہی حال ہے۔" سرمد نے مجبوریوں سے بھری اپنی کہانی سنائی۔

"یار میرے گھر والوں کا بھی یہی حال ہے میں بھی تیری طرح طعنے ہی سنتا ہوں۔" حامد نے کہا۔

"اگر ہم اسی طرح رہے تو بھوکے مر جائیں گے گھر والے بڑی مشکل سے روٹی دیتے ہیں۔" سرمد نے کہا۔

"بات تو تیری بالکل ٹھیک ہے اب تو ہی بتا کیا کریں؟" حامد نے پوچھا۔

"اگر کام کرنے کا ارادہ کیا تو گاؤں کا کوئی بھی بندہ ہمیں کام نہیں دے گا" سرمد نے کہا۔" لگتا ہے تیرے ذہن میں کچھ چل رہا ہے۔" حامد نے بغور سرمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چل تو رہا ہے..... لیکن وہ میرا اندازہ ہے۔" سرمد نے کہا۔

"چل بتا تو سہی۔" حامد نے کہا۔

"یہ تو تو جانتا ہی ہوگا کہ وہ آثار قدیمہ والے ہمارے گاؤں میں آئے ہوئے ہیں۔" سرمد نے کہا۔

"ہاں بالکل گاؤں کے باہر میں نے ان کے خیمے دیکھے ہیں۔" حامد نے کہا۔

"میرے خیال میں وہ اس مرتبہ خزانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔" سرمد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔" خزانہ!" حامد ہنسا....."یہاں سے کیا خزانہ ملے گا؟"

"پرانے زمانے کے محلوں میں اکثر آثار قدیمہ والوں کو خزانے ملتے رہتے ہیں۔" سرمد نے کہا۔

"ملتے تو ہیں تو یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوگا کہ وہاں سیکورٹی گارڈ بھی موجود ہیں وہ ہمیں گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔" حامد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں نے سنا ہے وہاں کا جو ہیڈ ہے وہ بڑا اچھا آدمی ہے اگر ہم اس سے کام مانگیں گے تو وہ ہمیں کام دے دے گا۔" سرمد نے کہا۔

"تو وہاں کام کرے گا بیوقوف، شاید تو جانتا نہیں کتنی سخت دھوپ میں وہاں لوگ کام کرتے ہیں اور کام ہم نے کبھی کیا نہیں۔" حامد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کام وہاں کون کرے گا حامد ہم تو صرف ان مزدوروں میں داخل ہوں گے، آثار قدیمہ والے جب اپنی اصل منزل ڈھونڈ لیں گے تو ہم ان سے ملتے وہاں داخل ہوں گے اگر کچھ ملا تو ٹھیک ورنہ وہ کام چھوڑ دیں گے تو بے فکر رہ..... کم از کم کھانا تو ٹائم پر ملے گا وہاں سے....." سرمد نے کہا تو حامد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

داؤد نے میڈیسن کا بل پے کیا اور اسٹور سے باہر آ گیا وہ ٹیکسی کے انتظار میں سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا اس نے دیکھا ایک لمبی سی کالے رنگ کی کار اس کے پاس آ کر رکی داؤد چونکا گاڑی کے پچھلے دروازے کا شیشہ نیچے ہوا اور اسے ایک آدھے گنجے آدمی کا چہرہ نظر آیا۔ "ہیلو مسٹر داؤد کیسے ہیں آپ۔" وہ آدمی مسکراتے ہوئے بولا۔

"ٹھ... ٹھیک ہوں...... پر آپ۔" داؤد نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"اگر اس سامنے والے ہوٹل میں ایک چائے کا کپ ہو جائے تو تفصیلی تعارف ہو سکتا ہے۔" اس آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے سامنے ایک ہوٹل کی طرف اشارہ کیا، داؤد پریشانی کی حالت میں اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا کہ ہاں کرے یا نہ کرے...... "سوچئے مت مسٹر داؤد یہ چائے کا کپ آپ کو مالا مال کر دے گا۔" اس آدمی نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "آیئے گاڑی میں بیٹھئے۔"

داؤد کشمکش و پیچ کے عالم میں آگے بڑھا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اس آدمی کے ساتھ بیٹھ گیا...... ڈرائیور گاڑی سامنے ہوٹل میں لے چلو۔" اس نے ڈرائیور کو حکم دیا پھر گاڑی میں خاموشی چھائی رہی، ڈرائیور نے گاڑی اس ہوٹل کے پارکنگ میں کھڑی کی اور نیچے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا، داؤد اور وہ آدمی نیچے اترے وہ ہوٹل میں داخل ہوئے کافی مہنگا ہوٹل تھا وہ آدمی ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھا اس آدمی نے ویٹر کو چائے کا حکم دیا اور پھر وہ داؤد کی طرف متوجہ ہوا۔ "ہاں تو مسٹر داؤد ہم آپ سے صرف ایک چھوٹا سا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"کیسا کام؟" داؤد حیرانگی سے بولا اس سے پہلے کہ وہ آدمی بتاتا ویٹر چائے لے کر آ گیا ویٹر نے چائے کا سامان ان کی میز پر رکھا اور خالی ٹرے لے کر واپس چلا گیا۔

"ہاں تو مسٹر داؤد بات ہو رہی تھی ایک چھوٹے سے کام کی۔" وہ آدمی دوبارہ ٹاپک کی طرف آیا۔

"لیکن آپ نے ابھی تک وہ کام نہیں بتایا۔" داؤد نے میز پر سے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کام تو چھوٹا سا ہے مسٹر داؤد لیکن ہم آپ کو اس کی قیمت دس لاکھ روپے دیں گے۔" اس آدمی نے کہا۔

"دو...... دو...... دس لاکھ۔" حیرانگی کے باعث داؤد کے منہ سے نکلا...... "یہ...... یہ تو بہت زیادہ ہیں۔"

"لیکن میرے لیے یہ رقم کچھ بھی نہیں اب تم بتاؤ کہ تم ہمارا کام کرو گے......" وہ آدمی لاپرواہی سے بولا۔

"لیکن سر آپ کام تو بتائیں...... میں جب تک یہ نہ جان لوں کہ کام کیا ہے تب تک میں کیا کہہ سکتا ہوں......" داؤد بیزار لہجے میں بولا۔

"کام بہت آسان ہے مسٹر داؤد۔" داؤد کے لہجے میں اس دفعہ سخت پن تھا۔

"تم لوگ جس جگہ کھدائی کر رہے ہو وہاں سے تمہیں ایک چھوٹی سی چیز ملے گی وہ چیز جب ملے گی تو تمہیں میرے حوالے کرنا ہو گی۔" اس آدمی نے بتایا تو داؤد کو حیرت کا ایک زوردار جھٹکا لگا۔

"کک...... کہیں تم...... وہی تو نہیں جس نے پروفیسر عباس کو فون کیا تھا اور اس کے کہنے پر انہوں نے یہ نیا پروجیکٹ شروع کیا تھا۔" داؤد نے کہا۔

"نہیں...... میں وہ نہیں۔" اس آدمی نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر وہ کون ہے؟" داؤد نے پوچھا۔

"وہ جو کوئی بھی ہے تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے تمہیں بس وہ چیز میرے حوالے کرنا ہو گی۔" اس آدمی نے کہا۔

"لیکن پتہ تو چلے وہ چیز ہے کیا؟" داؤد نے پھر پوچھا۔

"جب وہ چیز تمہارے پروفیسر کو ملے گی تو اس آدمی کا فون تمہارے پروفیسر کو آئے گا، لیکن وہ چیز کسی نہ کسی طریقے سے تمہیں مجھ تک پہنچانی ہو گی۔" اس آدمی نے کہا۔

"لیکن پروفیسر عباس وہ چیز مجھے کیوں دیں گے۔" داؤد نے کہا۔

"یہ سوچنا تمہارا کام ہے تمہیں دس لاکھ اس لئے دیئے جائیں گے۔" اس آدمی نے کہا۔



"ٹھ...... ٹھیک ہے۔" داؤد نے ہاں کی۔

"ویری گڈ یہ ہوئی نہ بات" اس آدمی نے خوش ہوتے ہوئے کہا ساتھ ہی اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک چیک نکالا۔ "یہ دو لاکھ کا کراس چیک ہے تم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا لینا۔" اس آدمی نے چیک داؤد کی طرف بڑھایا، داؤد نے ہاتھ بڑھا کر وہ چیک پکڑ لیا چیک میں دو لاکھ اماؤنٹ بھری ہوئی تھی۔ "ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں اب تم مجھ سے اس وقت رابطہ کرو گے جب تمہیں وہ چیز مل جائے گی۔" اس آدمی نے اٹھتے ہوئے کہا تو داؤد بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

وہ ایک عجیب سا شور تھا جس نے پروفیسر عباس کو گہری نیند سے جگا دیا تھا پہلے تو پروفیسر حیرانگی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے لگا پھر وہ اٹھ کر بیٹھا اس نے بیڈ کے پاس پڑی اپنی چپل پہنی اور پھر اٹھ کر ایک طرف لٹکی لالٹین کو روشن کیا باہر کئی قدموں کے دوڑنے اور چیخوں کی آواز آ رہی تھی، پروفیسر خیمے سے باہر آیا اس نے دیکھا باہر ایک عجیب سی بھاگم بھاگ لگی ہوئی تھی تمام خیموں کے مزدور ادھر ادھر بھاگ رہے تھے، سامنے ایک طرف ایک خیمے کو آگ لگی ہوئی تھی...... "جابر خان......" پروفیسر نے بھاگتے ہوئے ایک آدمی کو آواز دی وہ آدمی رکا اور پروفیسر کی طرف بھاگتا آیا اس کے ہاتھ میں پانی کی ایک بالٹی تھی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب کرم داد کے خیمے کو اچانک آگ لگ گئی ہے۔" جابر نے بتایا۔

"اوہ نو......" پروفیسر کے منہ سے نکلا۔ جابر آگ میں جلتے اس خیمے کی طرف بھاگا، کئی مزدور پانی کی بالٹیاں بھرے اس طرف جا رہے تھے کچھ مزدور جو خیموں کے پاس موجود تھے وہ بالٹیوں میں موجود پانی اس آگ پر برسا رہے تھے لیکن وہ آگ کم ہونے کے بجائے مزید بھڑک رہی تھی اندر موجود مزدور کی چیخیں بڑی کربناک تھیں، پروفیسر بے بسی کے عالم میں کھڑا اس بھڑکتی آگ کو دیکھ رہا تھا، اور پھر چند ہی لمحوں میں وہ خیمہ جل کر خاک ہو چکا تھا، بڑی تیزی سے اس آگ نے خیمے اور اس میں موجود مزدور کو نگل لیا، آگ یکدم ٹھنڈی ہو گئی شاید آگ کا مقصد صرف اس خیمے کو خاکستر کرنا تھا، آگ نے کسی دوسرے خیمے کو بالکل بھی نہیں چھوا تھا اب صرف وہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا کچھ دیر بعد آگ میں جھلسی اس مزدور کی لاش نکالی گئی تو اس کا بہت برا حال تھا۔

"یہاں کیا ہوا تھا؟" پروفیسر نے ایک طرف کھڑے چوکیدار سے پوچھا۔ "سر اس خیمے میں یکدم آگ بھڑک اٹھی میں نے جلدی جلدی باقی مزدوروں کو جگایا مگر اتنی دیر میں آگ پورے خیمے کو پکڑ چکی تھی میں نے اور باقی سب مزدوروں نے مل کر آگ بجھانا چاہی مگر آگ بجھنے کے بجائے مزید بھڑک اٹھی۔" چوکیدار نے بتایا، پروفیسر پریشان نگاہوں سے کرم داد کی دھواں نکلتی لاش کو دیکھنے لگا۔

داؤد ریلوے اسٹیشن سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا ایک طرف پروفیسر کی جیپ اسے لے جانے کیلئے کھڑی تھی داؤد آگے بڑھ کر جیپ میں بیٹھا...... "کیسے ہو احمد......؟" داؤد نے جیپ میں بیٹھتے ہوئے کہا...... "ٹھیک ہوں سر......" احمد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

تھوڑی دیر میں داؤد پروفیسر عباس کے سامنے موجود تھا، پروفیسر نے خیر خیریت معلوم کی اور رات میں ہونے والے حادثے کے متعلق بتانے لگا۔ داؤد بولا۔ "سر بہت افسوسناک بات ہے۔"

اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی پروفیسر کے خیمے پر تعینات چوکیدار اندر داخل ہوا...... "ہاں اسلم کیا بات ہے؟" پروفیسر چوکیدار کی طرف متوجہ ہوا...... "سر باہر دو آدمی آپ سے ملنے آئے ہیں۔" اسلم نے کہا۔

"دو آدمی...... کون ہیں وہ؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"پہلی مرتبہ دیکھا ہے سر لگتا ہے پاس میں جو گاؤں ہیں وہاں کے ہیں۔" اسلم نے خیال ظاہر کیا۔

"ٹھیک ہے بھیج دو انہیں اندر۔" پروفیسر نے کہا تو اسلم اثبات میں سر ہلا کر خیمے سے باہر نکل گیا، چند لمحے بعد دونوں جوان اندر داخل ہوئے۔ "جی فرمایئے" پروفیسر بولا۔

”سر میں سرمد ہوں اور یہ حامد۔“ ان میں سے ایک نے پہلے اپنا تعارف کرایا اور پھر دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔

”ہوں..... مجھ سے کیا کام ہے آپ دونوں کو؟“ پروفیسر نے پوچھا۔

”سر ہم اس گاؤں کے رہنے والے ہیں اور کام دھندے کیلئے یہاں آتے ہیں۔“ سرمد نے کہا۔

”کیا کام جانتے ہو تم دونوں؟“

”سر کوئی بھی کام ہو کھدائی کا کام بھی کرلیں گے ہم دونوں۔“ سرمد نے کہا تو ساتھ حامد نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

”دیکھو کھدائی کا کام بہت مشکل ہے چہرے سے تو تم ایسے نہیں لگتے کہ کھدائی کا کام کرسکو۔“ پروفیسر نے کہا۔

”نہیں سر جب پیٹ بھوکا ہو تو انسان ہر طرح کا کام کرلیتا ہے۔“ سرمد بے بسی کے عالم میں بولا۔

”پروفیسر صاحب ان دونوں کو رکھ لیں ویسے بھی ہمارے دو مزدور تو شارٹ ہو ہی چکے ہیں۔“ داؤد نے کہا تو پروفیسر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”ٹھیک ہے باہر جاکر چوکیدار سے مل لو وہ تمہیں کام سمجھا دے گا۔“ پروفیسر نے کہا تو حامد اور سرمد دونوں اثبات میں سر ہلا کر خیمے سے باہر نکل گئے۔

”آؤ داؤد ہم دونوں بھی باہر چل کر دیکھتے ہیں کام کہاں تک پہنچا؟“ پروفیسر نے اٹھتے ہوئے کہا تو داؤد بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا وہ دونوں خیمے سے باہر نکل کر وہاں پہنچے جہاں مزدور کام کررہے تھے مزدوروں نے کام کافی حد تک کرلیا تھا وہ گنبد میں لگی کھڑکی ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن کھڑکی مکمل طور پر زمین سے برآمد نہیں ہوئی تھی لیکن شام تک کھڑکی اتنی تو برآمد ہوچکی تھی کہ ایک آدمی آسانی سے وہاں سے گزر سکے۔ حامد اور سرمد بھی وہاں مزدوروں کے پاس پہنچ چکے تھے۔

”لگتا ہے داؤد کل ہم اس گنبد کی کھڑکی کے ذریعے اس محل میں پہنچ سکتے ہیں۔“ پروفیسر نے داؤد کی طرف دیکھا۔

”جی سر“

”کل پتہ چلے گا اس گنبد کے نیچے محل میں کیا ہے؟“ جواباً داؤد مسکرایا۔

☆......☆......☆

”حامد اس گنبد کے ذریعے ہم اندر داخل ہوسکتے ہیں“ سرمد نے کہا۔ ”ہاں اب تو اس گنبد کی کھڑکی میں اتنی جگہ تو بن ہی گئی ہے کہ ایک آدمی آسانی سے اس کے اندر جاسکے۔“

”لیکن سرمد میں نے جھانک کر دیکھا تھا اس میں کافی گہرائی ہے یعنی اس میں اترنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت تو پڑے گی اگر چھلانگ لگائی تو شاید ہماری ہڈیوں کا سرمہ بن جائے گا۔“ حامد نے کہا۔

”یہ کام ہم رسی سے لیں گے اور رسی اس گڑھے کے پاس موجود درخت سے باندھیں گے اور ایک، ایک ٹارچ تو ہمیں پروفیسر نے دے رکھی ہے۔“ سرمد نے کہا۔

”تو پھر دیر کس بات کی ابھی نکلتے ہیں سب اپنے اپنے خیموں میں سو چکے ہیں اور یہاں کے چوکیدار تو کرسیوں پر بیٹھے اونگھ رہے ہوں گے۔“ حامد نے مسکراتے ہوئے کہا تو سرمد بے اختیار ہنس پڑا۔ ”بس تھوڑی دیر اور مکمل تسلی کے بعد ہم باہر نکلیں گے۔“ سرمد نے کہا۔

”ویسے سرمد فرض کرو اگر ہمیں نیچے سے کچھ نہیں ملا تو کیا ہم یہاں ٹھہریں گے۔“ حامد نے پوچھا۔

”نہیں ایک دو دن ٹھہریں گے اور پھر چلے جائیں گے۔“ سرمد نے کہا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں خیمے سے باہر نکلے سرمد کے کندھے پر رسی موجود تھی حامد اور سرمد کے خیمے کے پاس ہی وہ گڑھا تھا جہاں سے وہ گنبد برآمد ہوا تھا، انہوں نے دیکھا ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور سیاہ رات نے اپنا بسیرا ہر طرف کیا ہوا تھا ایک طرف دو چوکیدار بیٹھے کرسیوں پر اونگھ رہے تھے ہر طرف مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی وہ اس گڑھے کے قریب پہنچے۔ ”چل حامد رسی اس درخت سے باندھ دے.....“ سرمد نے کہا تو حامد نے اثبات میں سر ہلایا اس نے سرمد سے وہ رسی لی گڑھے سے تھوڑی دور موجود درخت سے باندھ دی وہ دونوں گنبد کی کھڑکی کے قریب پہنچے اور رسی کا سرا کھڑکی کے اندر پھینک دیا وہ کھڑکی میں داخل ہوئے ہر طرف اندھیرے کا راج تھا سرمد وہ رسی پکڑ کر اس کے سہارے نیچے اترنے لگا چند ہی لمحوں میں اس کے پیر ٹھوس زمین پر جا لگے اور وہ سمجھ گیا کہ وہ زمین پر پہنچ چکا ہے۔

”ٹھیک ہے حامد تو بھی آجا۔“ سرمد نے کہا اور جیب سے ٹارچ نکال لی اس نے ٹارچ آن کی سرمد نے دیکھا اس کے سامنے ایک لمبی راہداری تھی جو کافی دور جاکر اندھیرے میں ڈوب گئی تھی تھوڑی دیر میں حامد بھی نیچے آگیا اس نے بھی اپنی ٹارچ آن کی ”چل سرمد آگے بڑھتے ہیں......“ حامد نے کہا اور وہ دونوں آگے بڑھے انہوں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا، راہداری میں آمنے سامنے کئی کمرے موجود تھے جو دروازوں سے آزاد تھے انہوں نے دیکھا وہاں دیواروں پر لال رنگ موجود تھا...... ”یار سرمد دیواروں پر یہ لال رنگ کیسا؟“ حامد نے پوچھا۔

”پتہ نہیں لیکن بات حیرانگی والی ہے۔“

”حیرانگی والی بات تو ہے...... مم...... مجھے تو یہ خ...... خون لگتا ہے!!“ حامد نے حیرانگی والی بات کہی۔

”ہاں خون ہی لگتا ہے۔“ سرمد بولا

اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی وہاں ایک عجیب سا شور گونجا۔ ”یہ...... یہ کیسا شور ہے۔“ حامد نے پوچھا۔

”پپ...... پتہ......“ ابھی سرمد نے اتنا ہی کہا تھا کہ یکدم ان کے پیروں سے زمین کھسک گئی اور چیختے چلاتے ہوئے اندھیرے میں ڈوبے اس خلا میں جاگرے کافی دیر بعد وہ دونوں ٹھوس زمین پر جاگرے ایک مرتبہ پھر ان کی چیخیں نکل گئیں۔ ان دونوں کی ٹارچیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ ”...... یہ...... یہ کیا...... ہم کہاں آگرے سرمد۔“ حامد کراہتے ہوئے بولا۔

”مجھے کیا معلوم۔“ سرمد غصے سے بولا وہ اٹھ کر بیٹھا تو ایک مرتبہ پھر چیخ اس کے منہ سے خارج ہوئی حامد بھی کراہتا چیختا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا سرمد نے زمین پر پڑی ٹارچ اٹھائی جو بالکل اس کے پاس ہی گری ہوئی تھی، سرمد نے ٹارچ کا رخ اوپر کی طرف کیا دوسرا لمحہ حیران کن تھا اوپر خلاف توقع چھت موجود تھی کہیں بھی ایسا خلا یا سوراخ موجود نہیں تھا جس سے وہ نیچے آگرے تھے...... ”ارے یہ کیا؟“ حیرت کے باعث سرمد کے منہ سے نکلا۔

”کیا ہوا......؟“ حامد نے پریشان نگاہوں سے سرمد کی طرف دیکھا۔ ”اوپر دیکھ وہاں تو ایسا کوئی راستہ ہی نہیں ہے جس سے ہم یہاں آگرے ہیں۔“ سرمد نے کہا۔

”کیا......؟“ حامد ایک مرتبہ پھر جیسے چلایا۔ ”یہ کیا؟“

”لگتا ہے یہاں سے ہماری لاشیں ہی ملیں گی پروفیسر کو......“ حامد گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

اچانک سرمد کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ ”حم۔حام۔د۔حامد“ سرمد حیرانگی سے حامد کے بے جان جسم کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”یہ...... یہ کیسے ہوگیا؟“ سرمد روتے ہوئے بولا، اچانک زمین پر پڑی دونوں ٹارچیں آف ہوگئیں۔ ”یہ...... یہ...... کک...... کیا......“ سرمد حیرانگی سے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولا اسی وقت سرمد کے منہ سے فلک شگاف چیخ برآمد ہوئی کوئی تیز نوکیلی چیز اس کے پیٹ میں آلگی تھی۔

دوسرے دن صبح کے وقت یہ بات پھیل گئی کہ سرمد اور حامد اپنے خیمے سے غائب ہیں۔ داؤد نے پروفیسر سے بولا۔ ”پروفیسر صاحب حامد اور سرمد دونوں اپنے خیموں سے غائب ہیں۔“

”یہیں کہیں ہوں گے۔“ پروفیسر لاپرواہی سے بولا۔

”پروفیسر صاحب میں نے تمام مزدوروں سے پوچھ لیا ہے مگر وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔ ہاں البتہ ان کا سامان ضرور خیمے میں پڑا ہوا ہے۔“ داؤد نے کہا۔

”ہوسکتا ہے کام سے تنگ آکر بھاگ گئے ہوں مجھے تو وہ پہلے سے نکمے لگتے تھے۔“ پروفیسر نے کہا۔

”لیکن پروفیسر صاحب وہ کم از کم اپنا سامان تو

لے کر جاتے وہ دونوں تھے بھی تو یونیفارم میں......" داؤد نے کہا۔ ان دونوں کے خیمے سے ٹارچیں اور صرف رسی غائب ہے۔"

پروفیسر نے حیرانگی سے داؤد کی طرف دیکھا۔

"ٹارچیں اور رسی بھی غائب ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات بتائی تم نے داؤد۔" پروفیسر داؤد کی طرف متوجہ ہوا۔ "چوکیدار سے پوچھا تم نے۔"

"پوچھا تھا لیکن اس نے ان دونوں کو نہیں دیکھا۔" داؤد نے بتایا۔

پروفیسر بولا۔ "سخت طلب کام دیکھ کر بھاگ گئے ہوں گے اور جب کسی طرف سے کچھ بھی نہیں ملے گا تو واپس آجائیں گے تم ان دونوں نکموں کے لئے پریشان نہ ہو۔"

"چھوڑیں پروفیسر صاحب ہمیں اس سے کیا آیئے اب ہم گنبد کے ذریعے اتر کر نیچے دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر کیا ہے؟" داؤد نے کہا تو پروفیسر اثبات میں سر ہلا کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا وہ دونوں خیمے سے باہر نکلے اور گڑھے میں موجود گنبد کے قریب آئے وہ دونوں گڑھے میں اترے داؤد نے رسی کی سیڑھی اس گنبد کے ذریعے نیچے لٹکا دی سب سے پہلے پروفیسر نیچے اترا اس کے پیچھے داؤد اور پھر چوکیدار۔

سورج کی روشنی کی کرنیں اندر تو آرہی تھیں مگر وہ نہ ہونے کے مترادف تھی۔ پروفیسر اور داؤد نے اپنی اپنی ٹارچ آن کی اور آگے بڑھے ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے دیکھا سامنے ایک لمبی راہداری تھی راہداری میں آمنے سامنے کافی کمرے تھے لیکن ان کمروں کے دروازے نہیں تھے پروفیسر نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا دیوار پر کالے رنگ کی ایک بڑی سی چیز بیٹھی ہوئی تھی ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی وہ پر مارتے ہوئے دیوار سے ہٹی سب نے دیکھا وہ ایک بہت بڑی چمگادڑ تھی وہ ان تینوں کی طرف بڑھی وہ یکدم بیٹھ گئے چمگادڑ ان کے سروں کے اوپر سے ہوتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہوگئی۔ "بب...... بہت بڑی چمگادڑ تھی۔ پروفیسر نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"اس نے تو ڈرا ہی دیا۔" داؤد اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ وہ آگے بڑھے اور بائیں طرف کے ایک کمرے میں داخل ہوگئے، انہوں نے اس کمرے میں ایک خوفناک منظر دیکھا، اندر ہڈیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے، ڈھانچوں کے گلوں میں لوہے کے کڑے اور پیر زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ وہ منظر دل دہلا دینے کیلئے کافی تھا۔ "پروفیسر صاحب...... یہ...... یہ تو بہت خوفناک منظر ہے۔" داؤد نے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کسی ظالم کا ہی کام ہوسکتا ہے لگتا ہے وہ ان لوگوں کو زنجیروں سے باندھ کر رکھتا تھا، باہر دیواروں پر جو ہم لال رنگ سمجھ رہے تھے وہ یقیناً خون ہوگا۔" پروفیسر نے اندازوں کی کہانی سنائی پھر وہ اس کمرے سے باہر آئے اور باقی کمروں کو دیکھنے لگے وہاں پرانے زمانے کا ٹوٹا پھوٹا فرنیچر پڑا تھا۔ "داؤد لگتا ہے یہاں کچھ ہے نیچے۔" پروفیسر نے کمرے کے فرش پر پاؤں مارتے ہوئے کہا، نیچے سے آواز ایسے آرہی تھی جیسے نیچے سے فرش کھوکھلا ہو اس کمرے کے فرش پر گرد اور مٹی کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی، داؤد گھٹنوں کے بل بیٹھا اور وہاں سے مٹی ہٹانے لگا، انہوں نے دیکھا وہ فرش لوہے کا تھا۔ داؤد نے اس جگہ دو تین مکے مارے۔ "سر نیچے ضرور تہہ خانہ ہے اور یہ اس کا دروازہ ہے۔" داؤد پر یقین لہجے میں بولا۔ "دلاور خان تم دو تین مزدوروں کو نیچے لے آؤ تاکہ ہم آسانی سے اس تہہ خانے کا دروازہ اوپر اٹھا سکیں۔"

تھوڑی دیر بعد دلاور دو تین مزدوروں کو نیچے لے آیا، انہوں نے مل کر کمرے کے سارے فرش کو مٹی سے صاف کیا، اب واقعی کمرے کے فرش میں لوہے کا ایک دروازہ نظر آرہا تھا جو اوپر کی جانب کھلتا تھا، تھوڑی سی محنت کے بعد وہ دروازہ کھل گیا تو انہوں نے دیکھا نیچے اندھیرے میں جاتی سیڑھیاں تھیں وہ ٹارچوں کی روشنی کی رہنمائی میں نیچے اترنے لگے ایک عجیب سی بدبو ان سب کی ناک سے ٹکرائی، بے اختیار ان سب نے اپنی اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا، انہوں نے دیکھا نیچے بہت بڑا کمرہ تھا اس کمرے کا فرش بھی مکمل طور پر مٹی کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ تہہ خانے کی دیواروں میں سوراخ تھے جو یقیناً مشعل رکھنے کیلئے تھے ایک طرف لمبا اور چوڑا صندوق پڑا ہوا تھا۔ پروفیسر نے آگے بڑھ کر صندوق کو دیکھا، صندوق تالے کی قید سے آزاد تھا۔ پروفیسر نے اس صندوق کا ڈھکنا کھولا تو تہہ خانے میں موجود سب کی آنکھیں چمکنے لگیں دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔

وہ صندوق ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ "یہ...... یہ کیا؟"...... داؤد ہکلایا۔ پروفیسر کے چہرے پر خوشی نے ڈیرہ جما لیا تھا۔ "یہ تو لاٹری لگ گئی داؤد...... سرکار ہمیں مالا مال کردے گی۔" پروفیسر خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"پروفیسر صاحب یہ کام تو سب کاموں سے بہتر رہا۔" داؤد کے لہجے میں بھی جوش اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"اس صندوق کو باہر نکلوانے کا بندوبست کرو پھر ہم باقی محل کو چیک کریں گے۔" پروفیسر نے داؤد کو تاکید کی تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ باقی محل میں سے بھی انہیں بہت قیمتی سامان ملا ایک کمرے میں ایک تابوت ملا جب اسے کھولا گیا تو پٹیوں میں لپٹی ایک لمبے قد کی لاش تھی اس کے علاوہ ایک چوکور چھوٹی سی ڈبی بھی ملی وہ ڈبی پروفیسر نے اپنے کوٹ کی دائیں جیب میں ڈال لی...... "داؤد ان سب چیزوں کو احتیاط سے باہر نکلوانا ہے۔" پروفیسر نے کہا تو داؤد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سارا سامان نکالتے نکالتے شام ہوگئی تمام سامان ایک بڑے خیمے میں رکھا گیا وہ تابوت بھی نکال لیا گیا تھا جس میں وہ لاش تھی۔ "پروفیسر صاحب ہمیں پولیس کی مدد لے لینی چاہئے ورنہ اگر کسی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ ہمیں یہاں سے خزانہ ملا ہے تو ادھم نہ مچ جائے۔" داؤد نے کہا۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے تم ایسا کرو۔ گاؤں کے تھانے میں جاؤ اور وہاں کے انچارج سے میری بات کراؤ۔" پروفیسر نے کہا تو داؤد اثبات میں سر ہلا کر خیمے سے باہر نکل گیا وہ ایک آدمی کو لے کر گاؤں کے تھانے کی طرف چل دیا، گاؤں کے تھانے دار نے تعاون کیا اور تین چار کانسٹیبل سیکورٹی کیلئے بھیج دیئے جو اس خیمے کی نگرانی پر مامور ہوگئے۔

پروفیسر عباس اور داؤد خیمے میں آکر بیٹھ گئے۔ "مبارک ہو سر! ہم اس مہم میں کامیاب ہوگئے ہیں۔" داؤد نے پروفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل داؤد اس محل سے ہمیں اتنا کچھ ملے گا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر صاحب اس کا مطلب اس آدمی کی پیشین گوئی سچ ہوگئی۔" داؤد نے کہا۔

"بالکل" پروفیسر نے لفظ "بالکل" کو لمبا کیا۔ "لیکن داؤد حیرانگی والی بات ہے۔ اس آدمی کو کیسے پتہ چلا کہ یہاں سے اتنا کچھ ملے گا۔" پروفیسر نے کہا۔

"یہ تو وہ بہتر جانتا ہے۔" داؤد نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "پروفیسر صاحب اب میں اپنے خیمے میں چلتا ہوں باقی باتیں صبح ہوں گی۔"

داؤد کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا پروفیسر نے بھی اٹھ کر خیمے کی زپ بند کی اور لالٹین بند کرنے کیلئے آگے بڑھا تو اسے اپنے کوٹ کی دائیں جیب میں کسی قسم کی ہلچل محسوس ہوئی، پروفیسر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ چوکور ڈبی نکال لی جو نیچے محل سے ملی تھی۔ پروفیسر نے غور سے اس ڈبی کا معائنہ کیا وہ ایک لوہے کی ڈبی تھی پروفیسر نے اسے ہلایا تو ڈبی کے اندر سے "کھٹ کھٹ" کی آواز پیدا ہوئی یعنی اس ڈبی کے اندر کچھ تھا پروفیسر نے اسے کھولنا چاہا مگر وہ مضبوطی سے بند تھی، پروفیسر نے اپنا کوٹ اتار کر خیمے میں پڑی کرسی پر ڈال دیا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔ پروفیسر نے ڈبی کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کردیا ڈبی کے ایک طرف چھوٹا سا بٹن لگا ہوا تھا، پروفیسر نے بٹن کو دبایا تو ڈبی کا اوپر والا ڈھکنا ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ پروفیسر نے ڈبی کے ڈھکنے کو اوپر اٹھایا تو خیمے میں موجود لالٹین میں جلتا شعلہ یکدم بجھ گیا۔

"پروفیسر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ارد گرد دیکھنے لگا ہر طرف اندھیرے کے علاوہ اس کو کچھ نظر نہ آیا۔ "یہ لالٹین کو کیا ہوا؟" پروفیسر حیرانگی سے بڑبڑایا۔ اسی وقت پروفیسر کے موبائل کی رنگ ٹون جاگ اٹھی، پروفیسر چونکا اور پھر اس نے پینٹ کی جیب سے اپنا موبائل نکالا اور یس کا بٹن پریس کرکے موبائل کان سے لگا لیا۔

"کیسے ہیں پروفیسر صاحب؟" ایک مسکراتی مگر کھردری آواز پروفیسر کے کانوں میں پڑی۔

”میرے حال کو چھوڑو...... یہ بتاؤ کہ مجھے فون کیوں کیا؟“ پروفیسر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

”تو فون“ ہنسی کی آواز آئی...... ”پروفیسر صاحب آپ بخوبی جانتے ہیں میں نے فون کیوں کیا ہے؟“

”نہیں میں نہیں جانتا وہاں سے مجھے تو ایسی کوئی انوکھی چیز ملی نہیں جس کیلئے تم نے مجھ سے یہ سارا کام کروایا ہے...... ہاں البتہ خزانہ ضرور ملا ہے لیکن وہ تو سارے کا سارا خزانہ سرکاری مال میں جائے گا“ پروفیسر نے کہا۔ ”ایک منٹ ٹھہرو۔“

پروفیسر نے وہ ڈبی میز پر رکھی اور موبائل کی روشنی میں میز پر سے ماچس ڈھونڈنے لگا پروفیسر نے ماچس اٹھائی اور تیلی کی آگ لالٹین کی بتی کو دکھائی لالٹین روشن ہوگئی۔ ”ہاں...... اب بولو“ پروفیسر نے دوبارہ موبائل کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

”پروفیسر صاحب کس بے وقوف کو خزانے سے دلچسپی ہے......“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تو پھر“...... پروفیسر نے بظاہر پوچھا۔

”کچھ اور بھی ملا ہوگا وہاں۔“ دوسری طرف سے بھی کہا گیا۔

”ہاں ایک چوکور ڈبی اور تابوت میں بند لاش ملی ہے جو پٹیوں میں لپٹی ہوئی ہے۔“ پروفیسر نے بتایا۔

”میری دلچسپی تو وہ چوکور ڈبی ہے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا تو پروفیسر نے حیرانگی سے میز پر پڑی اس ڈبی کو کھولا جو کھل تو گئی تھی مگر ابھی تک پروفیسر نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ اس ڈبی میں ہے کیا؟۔ ”اس ڈبی میں ایسا کیا ہے جس کیلئے تم نے ہم سے یہ کام کروایا۔“ پروفیسر اضطراری لہجے میں بولا۔

”کچھ خاص نہیں بس ایک بے کار سی چیز ہے جو آپ کے کام کی نہیں لیکن پروفیسر صاحب آپ اس ڈبی کو کھولئے گا مت ورنہ آپ کسی مصیبت میں بھی پھنس سکتے ہیں۔“ دوسری طرف سے بتاتے ہوئے تاکید کی گئی۔ ”ویسے پروفیسر صاحب میری کہی ہوئی بات سچ ہوگئی، آپ کو خزانہ مل گیا ہے اور وہ بھی اتنا کہ سرکار خوش ہوکر آپ کو مالا مال کردے گی آپ کے سابقہ سب کاموں سے یہ کام سب سے بہترین ثابت ہوا۔ اب آپ سے اجازت چاہوں گا آپ میری امانت کو سنبھال کر رکھیے گا میں صبح آپ سے کسی نہ کسی طرح وہ ڈبی حاصل کرلوں گا۔“

دوسری طرف سے رابطہ منقطع کردیا گیا پروفیسر نے موبائل کان سے ہٹایا اور میز پر رکھ دیا۔ ”آخر اس ڈبی میں ہے کیا؟“ پروفیسر بڑبڑایا۔ پروفیسر پہلے تو کئی منٹ میز پر پڑی اس ڈبی کو گھورتا رہا پھر اس نے وہ ڈبی اٹھائی اور اس کا ڈھکنا کھولا پروفیسر نے دیکھا ڈبی میں ایک چھوٹی سی لوہے کی سلور رنگ کی مورتی تھی۔ مورتی کی آنکھوں کی جگہ دو خوبصورت قیمتی موتی لگے تھے۔ جو لال رنگ کے تھے ان موتیوں میں عجیب سی چمک تھی، اس مورتی کا پیٹ بھی کافی موٹا تھا۔ ”اس مورتی میں آخر ایسی کیا بات ہے؟“ پروفیسر مورتی کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

اسی وقت پروفیسر کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے گلے میں خراشیں پیدا ہونی شروع ہوگئیں ہوں۔ پروفیسر نے کھانسنا شروع کردیا، پروفیسر نے منہ پر ہاتھ رکھا لیکن اس کے کھانسنے میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پروفیسر کو تکلیف کا احساس ہونے لگا، ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سانس رک جائے گا۔ پروفیسر نے منہ پر سے ہاتھ ہٹایا تو دیکھا اس کے ہاتھ کی ہتھیلی خون سے بھری ہوئی تھی۔ پروفیسر کو اب ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے دل میں سوئیاں سی چبھ رہی ہوں، وہ کھانستا ہوا کرسی سے نیچے جا گرا اور اس کے منہ سے تیزی سے خون بہنے لگا، وہ چیخنا چاہتا تھا مگر اس کے منہ سے کچھ نہ نکلا۔

اچانک پروفیسر کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی، وہ تڑپنے لگا پھر یکدم اس کا جسم ساکت ہوگیا، اس کی آنکھیں خوف کے باعث کھلی ہوئی تھیں، پروفیسر کے ہاتھ میں وہ ڈبی موجود تھی۔ لیکن وہ مورتی ڈبی میں سے نکل کر پاس ہی پڑی تھی۔

☆......☆......☆

موبائل میں بجنے والی رنگ ٹون سے داؤد جاگ اٹھا، اس کے خیمے میں اس وقت اندھیرا تھا۔ اور وہ گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ مگر یہ کمبخت موبائل کی رنگ ٹون اسے گہری نیند سے باہر کھینچ لائی تھی۔ اس نے سرہانے پڑا موبائل اٹھایا اور یس کا بٹن پریس کرکے موبائل کان سے لگالیا...... ”ہیلو“...... داؤد نیند میں ڈوبی آواز میں بولا۔

”داؤد تم لوگوں کو وہاں سے کیا کیا ملا؟“ دوسری طرف سے کہا گیا تو اس نے حیرانگی سے موبائل کان سے ہٹایا اور اس کی اسکرین پر نظر ڈالی یہ اسی آدمی کا نمبر تھا جس نے اسے دس لاکھ روپے کی آفر کی تھی۔ اور دو لاکھ کا چیک بھی دیا تھا۔

”ہمیں وہاں سے خزانہ ملا ہے۔“ وہ جوش کے عالم میں بولا۔

”خزانے کو مارو گولی یہ بتاؤ کہ اور کیا کیا ملا؟“ دوسری طرف سے وہ آدمی غصے سے بولا۔

”اور...... اور بھی کافی کچھ ملا ہے۔“ اتنا کہہ کر داؤد نے وہاں سے ملنے والی ہر چیز کا اسے بتادیا۔

”ویری گڈ اور کیا ملا وہاں سے؟“ اس آدمی نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

”اور کچھ“ داؤد نے ذہن پر زور دیا۔ ”میرا تو خیال ہے اور کچھ بھی نہیں ملا۔“

”یہ کیسے ہوسکتا ہے“ دوسری طرف سے حیرانگی کے عالم میں کہا گیا۔

”کیا مطلب؟“ داؤد چونکا۔

”وہاں سے کچھ اور بھی ملا ہوگا۔“ دوسری طرف سے پختہ لہجے میں کہا گیا۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ ایک لوہے کی چکور ڈبی بھی ملی تھی۔“ داؤد نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

”لوہے کی ڈبی...... ہاں بالکل وہی تو ہے۔“ دوسری طرف سے چہکتے ہوئے کہا گیا۔

”وہ معمولی سی لوہے کی ڈبی...... آپ نے مجھے دس لاکھ روپے اس ڈبی کو حاصل کرنے کے لئے دیے۔“ داؤد حیران کن لہجے میں بولا۔

”تم نہیں جانتے وہ ڈبی کیا حقیقت رکھتی ہے تم جلدی سے وہ ڈبی پروفیسر سے حاصل کرو، ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا آدمی وہ ڈبی حاصل کرلے سستی مت دکھاؤ اور وہ ڈبی حاصل کرو۔“ دوسری طرف سے تیز لہجے میں کہا گیا ”وہ ڈبی حاصل کرکے دوبارہ مجھ سے اسی نمبر پر رابطہ کرو۔“

اتنا کہہ کر دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی داؤد نے موبائل جیب میں ڈالا، اٹھ کر اپنی چپل پہنی اور خیمے کی زپ کھول کر باہر نکل آیا اس نے دیکھا دن کا اجالا تقریباً ہر طرف پھیل رہا تھا۔ وہ تیزی سے پروفیسر کے خیمے کی طرف بڑھا چوکیدار چوکس انداز میں کھڑا تھا۔ ”سلام صاحب“ چوکیدار داؤد کو دیکھتے ہوئے مودبانہ لہجے میں بولا، داؤد نے سر ہلانے پر ہی اکتفاء کیا اس نے دیکھا خیمے کی زپ کھلی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پروفیسر اس وقت فجر کی نماز پڑھنے کے لئے اٹھا ہوگا وہ اندر داخل ہوا تو ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر ON کی اندر کا منظر دیکھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے بچا اسے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔

ایک خوفناک منظر اس کا منتظر تھا۔ پروفیسر کرسی سے نیچے گرا ہوا تھا اور اس کے منہ سے کافی خون نکلا تھا، پروفیسر نے اپنے ہاتھ میں وہی ڈبی پکڑی ہوئی تھی پاس ہی ایک سلور رنگ کی چھوٹی سی مورتی پڑی تھی۔

”پپ...... پپ...... پروفیسر صاحب۔“ داؤد ہکلایا اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پروفیسر کو ہلایا مگر پروفیسر کا جسم ساکت تھا۔ اس نے وہ مورتی اٹھا کر جیب میں ڈالی اور جلدی سے باہر کی طرف لپکا...... ”ولا...... ولاور...... جلدی اندر آؤ“ داؤد کی گھبراہٹ پر چوکیدار چونکا۔ ”خیریت تو ہے داؤد صاحب“ چوکیدار حیرانگی سے داؤد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ول...... لگتا ہے...... پپ...... پروفیسر صاحب کی موت ہوگئی“ داؤد نے کہا۔

”کک...... کیا......؟“ چوکیدار چلایا...... ”یہ کیسے ہوسکتا ہے؟“

”تم یہاں موجود تھے تم نے کچھ نہیں سنا۔“ داؤد نے چوکیدار سے پوچھا۔ ”نہیں پروفیسر صاحب کے خیمے میں ایسی کوئی ہلچل یا شور نہیں گونجا جس سے ایسا محسوس ہوتا کہ پروفیسر صاحب تکلیف میں ہیں، ہاں البتہ کھانسنے کی آواز ضرور آئی تھی لیکن میں سمجھا کہ وہ ویسے ہی کھانس

رہے ہیں۔"
"ہوں۔" داؤد سوچتے ہوئے بولا...... "تم ایسا کرو جلدی سے میری مدد کرو پروفیسر صاحب کو اٹھانے میں۔" اندر کا منظر دیکھ کر چوکیدار کا دل بھی دھک دھک کرنے لگا، دونوں نے پروفیسر کو اٹھایا اور ڈاکٹر شازیہ کے خیمے میں لے آئے۔ ڈاکٹر شازیہ نے نبض دیکھتے ہی نفی میں سر ہلا دیا جس کا مطلب تھا کہ پروفیسر اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ سارے مزدور وہاں جمع ہو چکے تھے، سب پروفیسر کی اچانک موت پر حیران تھے۔
"شش...... شازیہ پروفیسر صاحب کو اچانک یہ کیا ہو گیا؟" داؤد نے ڈاکٹر شازیہ سے پوچھا۔
"میرے خیال سے پروفیسر صاحب کا دل پھٹ گیا ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے عجیب بات بتائی۔
"لل...... لیکن یہ کیسے ہو گیا؟" داؤد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" ڈاکٹر شازیہ بے بسی کے عالم میں بولی...... باقی اصل بات تو پوسٹ مارٹم کے بعد پتہ چلے گی۔"
خزانے والے خیمے کی نگرانی پر مامور کانسٹیبلوں نے اپنے موبائل کے ذریعے اپنے انچارج کو انفارم کیا اور ان کا انچارج وہاں پہنچ گیا وہ بھی پروفیسر کی اچانک موت پر حیران تھا اس نے پوسٹ مارٹم کیلئے پروفیسر کی لاش شہر روانہ کر دی، انسپکٹر نے موقع کی کارروائی کی اور وہاں سے چلا گیا داؤد نے اعلیٰ افسران کو اس ساری صورتحال سے آگاہ کیا اور خزانے کے بارے میں بھی بتا دیا، بہت جلد وہاں بڑے اعلیٰ افسران پہنچنے والے تھے۔ داؤد اپنے خیمے میں آ کر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا، پروفیسر کی موت نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا ویسے بھی پروفیسر ایک باپ کی طرح اس کا خیال رکھتا تھا کافی عرصہ ہو گیا تھا ان دونوں کو کام کرتے ہوئے۔
اچانک داؤد کو مورتی کا خیال آیا جو اسے پروفیسر کے خیمے سے ملی تھی اس نے جیب سے وہ مورتی نکالی اور اسے غور سے دیکھنے لگا اسی وقت اس کا موبائل جاگ اٹھا۔ "ہاں تو مسٹر داؤد تم نے وہ ڈبی حاصل کر لی۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔
"ڈبی...... نن...... نن...... نہیں وہ ڈبی تو خالی تھی مگر مجھے پروفیسر کے خیمے سے ایک مورتی ملی ہے۔" داؤد نے بتایا۔
"بالکل یہ مورتی ہی تو چاہیے، یہ مورتی اسی ڈبی میں تھی، ٹھیک ہے تم ایسا کرو جلدی سے گاؤں کے بس اسٹاپ پر پہنچو میں وہاں اپنے ایک آدمی کو بھیجتا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔
"مگر مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ آخر ہے کیا چیز؟" داؤد نے تنگ آتے ہوئے کہا۔
"تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" دوسری طرف سے سخت لہجے میں کہا گیا۔
"لل...... لیکن جب میں پروفیسر کے کمرے میں پہنچا تو ان کی موت ہو چکی تھی۔" داؤد نے بتایا "کیا......؟" دوسری طرف سے چلاتے ہوئے کہا گیا۔
"یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"
"میں سچ کہہ رہا ہوں، میں نے تمام اعلیٰ افسران کو خزانے اور پروفیسر کی موت کے بارے میں بتا دیا ہے وہ تقریباً دو ڈھائی گھنٹے میں یہاں پہنچ جائیں گے۔" داؤد نے بتایا۔
"یہ تو بہت غلط ہوا...... خیر تم بس اسٹاپ پر پہنچو وہ آدمی خود تم سے مل لے گا۔" دوسری طرف سے تیز لہجے میں کہا گیا۔ "ٹھیک ہے۔" داؤد نے کہا۔
"او کے پھر جلدی پہنچو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "لیکن میری بقایا رقم" مشکل کی اس گھڑی میں بھی داؤد کے لالچ نے سر ابھارا۔
"بقایا رقم کا چیک تمہیں وہ آدمی دے دے گا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "ٹھیک ہے میں بس اسٹاپ پر پہنچتا ہوں۔" داؤد نے کہا تو دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا، وہ خیمے سے باہر آیا اور ایک طرف کھڑی پروفیسر کی جیپ کی طرف بڑھا جیپ کے پاس ہی جیپ کا ڈرائیور احمد کھڑا تھا۔ "احمد میں ذرا گاؤں جا رہا ہوں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔" داؤد احمد سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "سر



میں چلوں آپ کے ساتھ۔" احمد نے کہا۔ "نہیں کوئی بات نہیں تم یہیں ٹھہرو میں جلد واپس آ جاؤں گا۔" داؤد نے کہا تو احمد نے اثبات میں سر ہلایا۔
داؤد جیپ اسٹارٹ کر کے سڑک پر لے آیا، جیپ سڑک پر تیزی سے دوڑی جا رہی تھی اس نے جیب سے ایک مرتبہ پھر وہ مورتی نکالی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔
اچانک سڑک کے کنارے پھیلی جھاڑیوں میں سے ایک بارہ تیرہ سال کا لڑکا نکلا اور تیز چلتی ہوئی جیپ کی پرواہ کیے بغیر سڑک پار کرنے کیلئے کوشش کرنے لگا، داؤد کی نظر بھاگتے لڑکے پر پڑی تو گھبراہٹ میں اس نے ہارن پر ہاتھ رکھا مگر ہارن سے کوئی آواز خارج نہ ہوئی اس نے یکدم بریک پر پاؤں رکھے مگر دوسرا لمحہ حیران کن تھا، جیپ کے بریکس فیل تھیں...... "اوہ نو......" گھبراہٹ کے باعث داؤد کے منہ سے نکلا سڑک پر بھاگتے لڑکے کی نظر جب تیز رفتار جیپ پر پڑی تو وہ یکدم سڑک کے درمیان میں رک گیا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے پیروں میں سے جان نکل گئی ہو اور پاؤں جیسے سڑک پر جم سے گئے ہوں، جیپ کے قریب پہنچنے پر لڑکے نے آنکھیں یکدم بند کر لیں، قریب پہنچنے پر داؤد نے جیپ کا اسٹیئرنگ تیزی سے گھما دیا، جیپ چیختی ہوئی تیزی سے گھومی اور سڑک کے کنارے لگے درخت سے زوردار انداز میں جا ٹکرائی، داؤد کا سر بھی زوردار انداز میں جیپ کی اسٹیئرنگ سے جا ٹکرایا، اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ سڑک کے درمیان کھڑے لڑکے نے آنکھیں کھولیں اور حیرانگی سے اپنے آپ کو دیکھنے لگا شاید اسے اپنے بچنے پر حیرانی ہو رہی تھی پھر اس کی نظر درخت سے ٹکرائی جیپ پر پڑی تو گھبراہٹ نے اس پر مزید بسیرا کر لیا وہ تیزی سے مڑا اور پھر یکدم گھوما اس کی نگاہیں سڑک پر پڑی اس مورتی پر پڑیں تو وہ حیرانگی سے مورتی کو گھورنے لگا پھر وہ آگے بڑھا اور اس نے جھک کر وہ مورتی اٹھالی۔
مورتی کو دیکھ کر وہ لڑکا مسکرایا اور تیزی سے جھاڑیوں میں داخل ہوا، مورتی ملنے پر وہ لڑکا بہت خوش تھا۔ وہ کھیتوں میں بنی ہوئی پگڈنڈی پر دوڑنے لگا۔ جلد ہی وہ لڑکا کھیتوں سے باہر نکل کر کچی آبادی میں داخل ہو گیا کچی آبادی میں داخل ہونے کے بعد ایک طرف کھیلتے ہوئے لڑکوں کی طرف بڑھا...... "ذیشان یہ دیکھو مجھے کیا ملا ہے؟" وہ لڑکا ایک لڑکے سے مخاطب ہوا وہ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اس لڑکے نے وہ مورتی ان کے آگے کر دی۔ "ارے یہ تجھے کہاں سے ملی؟" ان میں سے ایک لڑکے نے پوچھا جو یقیناً ذیشان ہی تھا۔ "یہ مجھے ادھر کھیتوں میں پڑی ملی ہے۔" اس نے جھوٹ بولا "لا دیکھا تو" ایک تیسرا لڑکا بولا۔
"نہیں میں یہ صرف ذیشان کو دکھاؤں گا۔" لئیق نے کہا۔
"چل ٹھیک ہے مجھے ہی دکھا دے" ذیشان نے کہا تو لئیق نے مسکراتے ہوئے مورتی اسے پکڑا دی۔ وہ غور سے دیکھنے لگا "اس میں کوئی خاص بات تو نہیں" ذیشان نے ماتھے کو سکیڑا "پتہ نہیں میں تو اٹھا لایا ہوں میں اسے اپنے کمرے میں شوکیس پر رکھوں گا۔"
"پتہ ہے ذیشان ابھی کیا ہوا تھا۔" لئیق بولا۔
"کیا ہوا تھا؟" ذیشان نے پوچھا "بابا نورے کی فصلوں میں، میں بھاگ رہا تھا کہ اچانک بابا نورے کا کتا میری طرف بھونکتا ہوا آیا میں ڈر گیا کہ کتا مجھے کاٹ لے گا تم تو جانتے ہی ہو وہ شکاری کتا ہر ایک کو کاٹ لیتا ہے مگر حیرانگی والی بات یہ ہے کہ پہلے تو وہ مجھ پر بھونکتا رہا اور پھر بھونکتا ہوا ڈیرے کی طرف بھاگ گیا۔" لئیق نے بتایا۔
"شاید اس کتے کو تجھ پر ترس آ گیا ہو۔" چوتھا لڑکا مسکراتے ہوئے بولا تو یاسر اور ذیشان نہیں مانے۔
"نہ مانو" لئیق منہ بناتے ہوئے بولا۔
نہ بابا نہ میں تو نہیں جاؤں گا، پچھلی دفعہ مالی نے بہت مارا تھا اور ابو کو بھی بتا دیا ابو نے بھی خوب مارا...... میں نہیں جاؤں گا۔" چوتھا لڑکا کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا "ناصر ابھی تھوڑی دیر میں مالی اپنے گھر کھانا کھانے چلا جائے گا ہم تب آم توڑنے باغ میں جائیں گے۔" ذیشان نے کہا۔ "اگر مالی آ گیا تو" ناصر کے لہجے میں پچھلی دفعہ کا ڈر ابھی بھی قائم تھا۔ "یار تو گھبراتا کیوں ہے ہم جلدی جلدی وہاں سے آم توڑ کر بھاگ آئیں گے اور کہیں اچھی جگہ بیٹھ کر آموں سے خوب انصاف کریں گے۔" اس دفعہ لئیق

بولا۔ مورتی اس نے جیب میں ڈال لی تھی۔ "چلو ٹھیک ہے اگر میں پکڑا گیا تو دوبارہ نہیں جاؤں گا۔" ناصر نے بظاہر وارننگ دی۔

"چلو پھر چلتے ہیں۔" یاسر بولا وہ چاروں ایک طرف بڑھ گئے جلد ہی وہ باغ کے باہر موجود تھے۔ باغ میں ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی قسم قسم کے پھلوں اور پھولوں سے باغ سجا دھجا تھا انہوں نے دیکھا ایک طرف خالی چارپائی پڑی ہوئی تھی یعنی مالی جا چکا تھا وہ آم کے درخت کے قریب آ گئے۔ "میں درخت پر چڑھ کر آم توڑ کر نیچے پھینکوں گا اور پھر تم تینوں جمع کرنا۔" ذیشان تینوں کو سمجھاتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے۔" تینوں نے اثبات میں سر ہلایا ذیشان کسی بندر کی طرح درخت پر چڑھنے لگا وہ ایک مضبوط ٹہنی پر کھڑا ہوا آم توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے لگا نیچے کھڑے یاسر، ناصر اور لئیق آم جمع کر کے آم جیبوں میں ڈالنے لگے۔

"رک جاؤ کم بختو" اچانک ایک کڑک اور تیز آواز ان چاروں کو سنائی دی اور وہ چاروں سہم گئے کیونکہ سامنے مالی کھڑا تھا۔ ٹہنی پر کھڑے ذیشان کی پینٹ گیلی ہو گئی۔

"بھاگو...... بھاگو......" ناصر چلایا۔ نیچے کھڑے تینوں لڑکے تیزی سے بھاگے، درخت پر کھڑا ذیشان تیزی سے نیچے اترنے لگا اترتے اترتے وہ درخت سے نیچے جا گرا مالی بھی اتنی دیر میں قریب پہنچ چکا تھا۔ "کم بخت تم چاروں کو کئی بار سمجھایا ہے لیکن تم ہو کہ کتے کی دم بنے ہوئے ہو۔" مالی غصے سے ذیشان کا بازو پکڑ کر اسے جھٹکے دیتے ہوئے بولا

"چچ...... چچا...... مم...... مجھے معاف کر دو...... دوبارہ نہیں آؤں گا۔" ذیشان روتے ہوئے بولا۔

"معاف کر دوں۔" مالی نے غصے سے الفاظ دوہرائے اور ایک زور دار تھپڑ ذیشان کے منہ پر دے مارا۔ "آج تو میں تیرا بنا دوں گا کچومر۔"

ذیشان کو ایک مرتبہ پھر تھپڑ سہنا پڑا، لئیق کافی دور بے بسی کے عالم میں کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ مالی ذیشان کو چھوڑ دے مگر شاید مالی ذیشان کو اس کی نانی یاد دلانے کے موڈ میں تھا اسی وقت لئیق کی جیب میں ہلچل سی پیدا ہوئی اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہی مورتی نکال لی اسی وقت لئیق کی پلکیں جھپکیں، اس نے دوبارہ آنکھیں کھولی تو اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ تھی۔ مالی ابھی بھی ذیشان پر غصے سے بھڑک رہا تھا، لئیق اس طرف بڑھا قریب پہنچنے پر وہ انگارہ اگلتی ہوئی آنکھوں سے بولا۔ "او بے مالی کے بچے چھوڑ میرے دوست کو۔"

مالی نے لئیق کی طرف دیکھا...... "اوہ! تو تو بچائے گا اسے اور یہ تو بول کس طرح رہا ہے میرے ساتھ......" مالی غصے سے بولا اس نے ذیشان کو چھوڑا اور لئیق کی طرف بڑھا قریب پہنچنے پر مالی نے تھپڑ مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا، لئیق غصے سے انگارہ آنکھوں سے مالی کی طرف گھور رہا تھا۔ مالی کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

اچانک اس کے منہ سے ایک کراہ سی نکلی اس نے اپنے دل کو پکڑ لیا تکلیف کی شدت سے مالی کے چہرے کا برا حال تھا۔ "بھاگو لئیق"...... ذیشان لئیق کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بھاگا۔ لئیق نے بھی اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا، لئیق نے بھاگتے بھاگتے پیچھے مڑ کر دیکھا، مالی زمین پر پڑا بری طرح تڑپ رہا تھا، وہ بھاگتے ہوئے دوبارہ آبادی میں پہنچے تو ناصر اور یاسر ان کے انتظار میں کھڑے تھے وہ تیزی سے لئیق اور ذیشان کی طرف بڑھے لئیق کی آنکھیں اب بالکل نارمل تھیں۔ "میں نے منع کیا تھا نا کہ نہ جاؤ مگر تم تینوں نے میری بات ہی نہیں مانی دیکھا مالی نے اچھا سبق سکھایا تمہیں۔" ناصر نے کہا۔ "نہیں اب ہم دوبارہ وہاں نہیں جائیں گے۔" ذیشان اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولا۔ "ارے یہ کیا اس کی تو پینٹ ہی گیلی ہو گئی۔" یاسر ہنستے ہوئے بولا تو وہ تینوں بھی ہنسنے لگے اور ذیشان شرمندگی سے اپنی گیلی پینٹ کو دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

"حمیدہ آج دوپہر مالی کا انتقال ہو گیا۔" لئیق کے والد نے روٹی کا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہائے اللہ" وہ تو چنگا بھلا تھا...... حمیدہ جو چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکانے میں مصروف تھی، پریشان لہجے میں بولی۔ لئیق بھی پاس ہی بیٹھا روٹی کھا رہا تھا۔ "ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ اسے دل کا دورہ پڑا ہے...... چنگا بھلا تو وہ واقعی تھا مگر شاید اللہ



کو اس کی زندگی اتنی ہی منظور تھی۔" لئیق کے والد افسردہ لہجے میں بولے۔ "چنگا بندہ تھا مالی۔"

"ابو وہ اچھا نہیں تھا وہ تو بچوں کو بہت مارتا تھا۔" لئیق غصے سے بولا۔ "بیٹا جب بچے اسے تنگ کریں گے تو وہ بیچارہ بچوں کو نہ مارتا تو اور کیا کرتا۔" لئیق کے والد مسکراتے ہوئے بولے۔

"ہم تو صرف اس کے باغ سے آم ہی توڑتے تھے وہ تو اس باغ کا مالی تھا کونسا اس کا اپنا باغ تھا...... اچھا ہوا مر گیا۔" لئیق ایک مرتبہ پھر غصے سے بولا۔

"نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے وہ اس باغ کا مالی تھا اور مالی کا کام ہی باغ کی حفاظت کرنا ہوتا ہے اور بیٹا اگر میں تمہیں کوئی چیز سنبھالنے کیلئے دوں گا تو کیا وہ چیز تم کسی کو دو گے۔" لئیق کے والد نے کہا۔ جواباً لئیق نے صرف نفی میں سر ہلا دیا......" بالکل اسی طرح بیٹا اگر مثال کے طور پر تم وہ چیز کسی کو دو گے تو ظاہری بات ہے میں تمہیں ڈانٹوں گا اس طرح مالی کا مالک نواب شاہ بھی اسے ڈانٹتا ہی ہوگا جب تم لوگ آم توڑتے ہو گے۔" لئیق کے والد نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے ابو ہم دوبارہ وہاں سے آم نہیں توڑیں گے۔" لئیق معصوم لہجے میں بولا۔ "شاباش بیٹا...... اچھے بچے وہی ہوتے ہیں جو ہر اچھی بات کو مانتے ہیں۔" اس کے والد خوش ہوتے ہوئے بولے۔

"کیا ان دونوں لفنگوں کا کچھ پتہ چلا۔" حمیدہ نے پوچھا۔ "حامد اور سرمد کا" لئیق کے والد نے بظاہر پوچھا۔

"ہاں وہی لفنگے۔" حمیدہ نفرت سے بولی۔ "نہیں ابھی تک تو نہیں اچھا ہی ہے حمیدہ وہ دونوں گاؤں میں نہیں ہیں ورنہ وہ دونوں روز گاؤں میں کوئی نہ کوئی بکھیڑہ کھڑا کر دیتے تھے۔" لئیق کے والد نے کہا۔ "سنا ہے وہ لوگ جو گاؤں میں کھدائی کرنے (آثار قدیمہ) والے آئے ہیں ان کے پاس نوکری کرنے گئے تھے پھر وہاں سے اچانک غائب ہو گئے۔"

لئیق کا گھر مٹی اور گارے سے بنا ہوا تھا جو صرف دو کمروں پر مشتمل تھا ایک کمرے میں والد والدہ سوتے تھے دوسرے کمرے میں لئیق سوتا تھا لئیق اپنے کمرے میں آیا اور ایک طرف پڑی چارپائی پر لیٹ گیا، دوپہر والے واقعے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اس نے اس واقعہ کا ذکر ابھی تک کسی سے بھی نہیں کیا تھا کہ وہ آدمی (دادو) اسے بچاتا ہوا مرا تھا اسے مالی کی موت کا سن کر بھی بہت دکھ ہوا تھا، انہی باتوں کو سوچتا ہوا نیند کی وادی میں چلا گیا۔

دوسرے دن وہ اسکول پہنچا تو اس کے تینوں دوست اس کی طرف بڑھے۔ "یار لئیق تم نے سنا کل وہ مالی مر گیا۔" ذیشان نے کہا۔ ہاں رات ابو بتا رہے تھے۔" لئیق نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ مورتی کہاں ہے لئیق......" ذیشان بولا۔

"میرے پاس ہے......" لئیق نے کہا، ساتھ ہی اس نے وہ مورتی جیب سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی......" یہ مجھے دے دو۔" ذیشان نے کہا۔ "ٹھیک ہے لے لو میں نے ویسے بھی تمہیں دینی تھی۔" لئیق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں بھی تمہیں کوئی گفٹ دوں گا......" ذیشان نے کہا تو لئیق خوش ہو گیا۔

لئیق اور ذیشان دونوں گہرے دوست تھے، ذیشان کے والد کافی امیر تھے وہ امریکہ گئے ہوئے تھے لیکن اب واپس آ گئے تھے ہمیشہ کیلئے۔ ذیشان اکثر لئیق کو کوئی نہ کوئی چیز دیتا رہتا تھا اور لئیق بھی کبھی کبھار اسے کوئی چیز گفٹ کر دیتا تھا اسکول سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے اپنے گھروں کی طرف ہو لئے۔ ذیشان اپنے گھر کا چھوٹا گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا ایک طرف بندھا کتا تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور اپنی دم ہلانے لگا ذیشان مسکراتا ہوا کتے کی طرف بڑھا۔ "کیسے ہو ڈوگی؟" ذیشان پیار سے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "یہ دیکھو میں کیا لایا ہوں؟"

ذیشان نے اپنی جیب سے وہ مورتی نکال کر کتے کو دکھائی اسی لمحے ایک عجیب بات ہوئی کتے نے یکدم بھونکنا شروع کر دیا اگر ذیشان ڈر کر پیچھے نہ ہٹ جاتا تو شاید کتا اس کے بازو میں اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیتا ذیشان حیرانگی سے بھونکتے ہوئے کتے کی طرف دیکھنے لگا اندرونی حصے سے ایک عورت باہر نکلی......" کیا ہوا ذیشان ڈوگی کیوں بھونک رہا ہے؟" وہ عورت ذیشان سے مخاطب ہوئی۔ "پتہ نہیں

ممّا۔" ذیشان نے کندھے اچکائے۔ "میں نے اسے یہ مورتی دکھائی تو یہ یکدم بھونکنے لگا یہی نہیں اگر میں بروقت پیچھے نہ ہٹ جاتا تو شاید یہ مجھے کاٹ لیتا۔"

"یہ مورتی تمہیں کہاں سے ملی؟" ذیشان کی مما نے حیرانگی سے مورتی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ مجھے لئیق نے دی ہے اسے کل کھیتوں سے ملی تھی......" ذیشان نے بتایا۔ "لاؤ مجھے دکھاؤ" ذیشان کی مما نے ہاتھ آگے بڑھایا ذیشان نے وہ مورتی اپنی مما کی طرف بڑھائی اسکی مما نے حیرانگی سے اس مورتی کو دیکھنا شروع کردیا۔ "یہ تو کوئی کھلونا لگتا ہے۔"

ذیشان کی مما نے کہا۔ "جی مما کھلونا ہی تو ہے میں اسے اپنے کمرے میں رکھوں گا۔" ذیشان خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "کتا بدستور بھونکے جارہا تھا۔" اس ڈوگی کے بچے کو پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم ایسا کرو نہا دھو کر فریش ہو جاؤ میں تمہارے لئے کھانا لگاتی ہوں۔" ذیشان کی مما بھونکتے ہوئے کتے کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے بولیں اور پھر ذیشان سے مخاطب ہوئیں ذیشان اندرونی حصے کی طرف بڑھا۔

فریش ہونے کے بعد وہ کھانے کی ٹیبل پر آبیٹھا اسکی مما پہلے ہی ٹیبل پر کھانا لگا چکی تھیں۔ "مما آج تو ڈوگی مجھے کھا ہی جاتا۔" ذیشان نے روٹی کا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "حیرت کی بات ہے بیٹا پہلے تو اس نے کبھی بھی ایسی حرکت نہیں کی۔" ذیشان کی مما کے چہرے پر حیرت صاف موجود تھی۔ "مما وہ تو میں پیچھے ہٹ گیا ورنہ ڈوگی نے تو مجھے کاٹ ہی لینا تھا۔" ذیشان نے کہا۔ "اچھا ایسا کرو تم کھانا کھانے کے بعد ٹی وی پر کارٹون دیکھ لو۔"

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ذیشان ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔ ٹی وی پر ٹوم اینڈ جیری کے کارٹون چل رہے تھے۔ کارٹون ختم ہونے پر وہ چینل بدلنے لگا اسی وقت اس کے تینوں دوست وہاں آن دھمکے یاسر کے ہاتھوں میں پتنگ اور ڈور کا گولہ تھا۔ "ارے یہ کیا؟" ذیشان نے پوچھا۔ "باہر موسم کافی اچھا ہے پتنگ اڑاتے ہیں گاؤں کے دیگر لڑکے باہر پتنگیں اڑا رہے ہیں۔" یاسر کے بولنے سے پہلے لئیق بول پڑا اور یاسر اسے غصے سے گھورنے لگا۔ "یہ بات میں بھی کہہ سکتا تھا۔" یاسر منہ بناتے ہوئے بولا۔ "میں نے سوچا تمہارا منہ تھک جائے گا۔ ویسے بھی ہر وقت چلتا ہی رہتا ہے۔" لئیق نے کہا تو ذیشان اور ناصر ہنسنے لگے۔ وہ چاروں چھت پر آئے ٹھنڈی ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی اور آسمان رنگ برنگی پتنگوں سے خوش رنگ لگ رہا تھا ذیشان نے پتنگ ہوا میں اچھالی اور اس کی ڈور کھینچنے لگا آہستہ آہستہ ہوا نے پتنگ کو پکڑ لیا اور پھر وہ پتنگ آسمان پر پھیلی پتنگوں میں شامل ہوگئی۔ "وہ مورتی کہاں ہے ذیشان جو میں نے تمہیں دی تھی۔" اچانک لئیق نے پوچھا۔ "میری جیب میں ہے۔" ذیشان نے کہا۔ "تمہاری مما کہاں ہیں۔" لئیق نے پوچھا۔ "وہ پڑوس میں گئی ہوئی ہیں۔" ذیشان نے بتایا۔

"وہ کاٹا۔"

ایک پتنگ ذیشان کی پتنگ سے کٹ کر آسمان سے زمین کا رخ کر رہی تھی...... "وہ کاٹا" وہ تینوں بھی چیخے آہستہ آہستہ اس کی پتنگ نے کئی اور پتنگوں کو شکست دیدی۔ ذیشان پتنگ اڑانے میں اتنا محو تھا کہ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ چھت کی منڈیر کے قریب پہنچ گیا اچانک اسکی جیب میں پڑی ہوئی مورتی میں ہلچل پیدا ہوئی ذیشان چونکا اور اس نے نیچے دیکھا اب اسے اندازہ ہوگیا کہ اگر وہ چند قدم اور چلتا تو یقیناً چھت سے نیچے جا گرتا۔

اچانک کسی نے ذیشان کو پیچھے سے دھکا دیا۔ ذیشان چیخا اور تیزی سے گھوما لیکن وہ چھت سے نیچے جا گرا تھا۔ حیرانگی والی بات یہ تھی کہ چھت مکمل طور پر خالی تھی۔ اور دھکا دینے والی کوئی شخصیت وہاں کہیں بھی موجود نہ تھی۔

☆......☆......☆

"جہاں تک میرا خیال ہے محمود صاحب شاید ذیشان کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے سر میں بھی کافی چوٹ آئی ہے میں نے مرہم پٹی کردی ہے آپ صبح اسے شہر لے جائیں وہاں کسی لیبارٹری سے اس کی ٹانگ کا ایکسرا کروائیں۔" ڈاکٹر نے ذیشان کے والد محمود سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب میرا بیٹا تو ٹھیک ہو جائے گا۔" ذیشان کی مما روتے ہوئے بولیں۔ "گھبراؤ نہیں فرزانہ بیٹی ذیشان اب خطرے سے باہر ہے لیکن پھر بھی اسے شہر تو لے جانا پڑے گا کیونکہ جو علاج شہر میں ہوسکتا ہے وہ گاؤں میں نہیں ہوسکتا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

محمود صاحب نے ڈاکٹر کا بیگ پکڑا اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

ذیشان کے تینوں دوست کافی دیر پریشانی کی حالت میں کھڑے تھے اور پھر رات ہونے پر ذیشان کی مما کے کہنے پر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ذیشان کے والد کمرے میں آئے اور خالی کرسی پر بیٹھ گئے۔ "مم محمود...... میرا بیٹا ٹھیک تو ہو جائے گا۔" فرزانہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "فرزانہ...... فکر کیوں کرتی ہو ذیشان انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا صبح ہم دونوں اسے شہر لے جائیں گے وہاں اسکا علاج اچھا ہوگا۔" محمود نے فرزانہ کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اب ایسا کرو تم جا کر آرام کرو میں ذیشان کے پاس بیٹھتا ہوں۔"

"نہیں آپ تھکے ہارے آئے ہیں آپ آرام کریں میں یہاں بیٹھتی ہوں۔ آپ ایسا کریں آرام کریں جب مجھے نیند آئے گی تو میں آپ کو جگا دوں گی۔" فرزانہ نے کہا۔ محمود نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر بیڈ کے دوسری طرف آئے اور جھک کر ذیشان کے ماتھے کو چوما اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

فرزانہ نے دیکھا ذیشان کی نیکر کی جیب پھولی ہوئی تھی یعنی اس کی جیب میں کچھ تھا۔ فرزانہ نے اٹھ کر اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں وہی سرخ آنکھوں والی مورتی تھی۔ "کیا یہ خبیث مورتی ہر وقت لئے پھرتا ہے؟" فرزانہ نفرت سے بولی اور مورتی نیچے فرش پر پھینک دی۔ فرزانہ نے پاس پڑے پانی کے گلاس کو اٹھایا اور ایک ہی سانس میں غٹاغٹ پی گئی۔ خالی گلاس اس نے دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔

اس وقت فرزانہ کے سر میں خارش سی محسوس ہوئی فرزانہ انگلیوں کے ناخنوں سے سر میں خارش کرنے لگی اسے خارش کرنے سے تکلیف سی محسوس ہوئی اس نے ہاتھ ہٹا کر دیکھا تو وہ حیران رہ گئی اسکی انگلیوں کے ناخن خون سے تر تھے۔

"ارے یہ کیا؟" وہ حیرانگی سے بڑبڑائی اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اب کی بار اس کا ہاتھ خون سے رنگا ہوا تھا۔

فرزانہ کے سر میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی جس کی وجہ سے اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ خارج ہوئی پھر تو فرزانہ کے سر میں درد کا ایک تیز طوفان اٹھا۔ فرزانہ نے اب کی بار چیخنے کے لئے منہ کھولنا چاہا مگر اس کے منہ نے اس کا ساتھ نہ دیا اس کے ہونٹ جیسے سل گئے تھے۔ آہستہ آہستہ خون کی لکیریں سر کے بالوں سے نکل کر اسکے چہرے پر پھیلنے لگیں وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے نیچے جا پڑی۔ کمرے میں فرش پر پڑی اس مورتی کا رخ تڑپتی ہوئی فرزانہ کی طرف ہی تھا۔

☆......☆......☆

"اچھا محمود میں چلتا ہوں...... یہ اللہ کی رضا ہے مگر حیرانگی والی بات ہے محمود تمہاری مسز کی اتنی خوفناک موت پر۔" محمود کا دوست خاور بولا، اسکے لہجے میں حیرانگی تھی۔

"بس خاور کیا بتاؤں پورا گاؤں فرزانہ کی موت پر حیران ہے کل میرا بیٹا اچانک چھت سے گر گیا وہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ صبح جب میں ذیشان کے کمرے میں داخل ہوا تو میری تو دنیا ہی اجڑ گئی فرزانہ کی خوفناک لاش وہاں پڑی ہوئی تھی آج میں نے ذیشان کو بھی شہر لے جانا تھا مگر۔" مزید الفاظ محمود کے ہونٹوں کا ساتھ نہ دے سکے اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ برسوں کا بیمار نظر آرہا تھا۔

محمود دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں اپنا چہرہ تھام کر رونے لگا وہ کسی بچے کی طرح رو رہا تھا خاور کی آنکھوں سے بھی دو موٹے موٹے آنسو نکل کر لکیر کی شکل میں گالوں پر پھیل گئے خاور میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے چپ کرا سکے کیونکہ اس دنیا میں فرزانہ اور ذیشان کے علاوہ اس کا کوئی نہیں تھا جب محمود کا رونا بند ہوا تو خاور نے اجازت چاہی۔ "ٹھیک ہے محمود اب میں چلتا ہوں ایسا کرتے ہیں میں ذیشان کو ساتھ لے جاتا ہوں تاکہ اس کا چیک اپ کروالوں۔" خاور نے کہا۔ "میں فرزانہ

کے سو تم پر آ جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں خاور میں خود ذیشان کا چیک اپ کروالوں گا تھینکس۔" محمود اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے تیز لہجے میں بولا۔

"یار کیسی غیروں جیسی باتیں کر رہے ہو آخر ذیشان بھی تو میرے بیٹے جیسا ہے وہاں مائرہ اس کا خیال رکھے گی اور حمزہ بھی تو ہے وہ اس کا دل بہلائے گا۔ ظاہری بات ہے تم تو ابھی کچھ دن تو ٹھہر کر جاؤ گے ذیشان چھت سے گرا ہے اگر بروقت اس کا چیک اپ نہ کروایا گیا تو کوئی نقصان بھی ہو سکتا ہے۔" خاور بولا۔

محمود نے بڑی کوشش کی مگر خاور کی ضد کے آگے آخرکار اسے ہار ماننا پڑی۔

ذیشان کو صبح کے وقت ہوش آ گیا تھا۔ اور اسے فرزانہ کی موت سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا فرزانہ کو مٹی کے حوالے کیا جا چکا تھا۔ خاور اور محمود دونوں ذیشان کے کمرے میں آئے۔ "کیسے ہو ذیشان بیٹا؟" خاور مسکراتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہوں انکل۔" ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بیٹا یہ کیا کر لیا آپ نے۔" خاور نے پوچھا۔

"میں نے...... میں نے انکل کچھ نہیں کیا۔" ذیشان بولا تو خاور بے اختیار مسکرا دیا۔ "تو بیٹا چھت سے میں تو نہیں گرا۔" خاور مسکراتے ہوئے بولا۔

"مجھے کسی نے دھکا دیا تھا۔" ذیشان نے عجیب بات کہی۔

"کیا کہا تم نے۔" اس مرتبہ محمود حیرانگی سے بولا۔

"وہاں پاپا کسی نے مجھے چھت سے دھکا دیا تھا میں پتنگ اڑاتے ہوئے چھت کی منڈیر تک پہنچ گیا تبھی مجھے ہوش آیا اور میں رک گیا تبھی کسی نے مجھے دھکا دیا۔" ذیشان نے ساری بات بتائی۔ "لیکن بیٹا تمہارے تینوں دوست تو کہہ رہے تھے کہ جب تم چھت سے گرے تھے تو وہ تینوں نیچے کچن میں تھے۔"

محمود کے لہجے میں اب بھی حیرت موجود تھی۔ "پاپا جب مجھے دھکا دیا گیا تو میں نیچے گرتے گرتے گھوما چھت پر کوئی نہیں تھا لیکن میں نے صاف محسوس کیا تھا کہ پیچھے سے مجھے کسی نے دھکا دیا تھا۔" ذیشان کا لہجہ مضبوط تھا۔

"یہ تم بڑی عجیب بات کر رہے ہو ذیشان بیٹا......" اس مرتبہ خاور یقین نہ آنے والے لہجے میں بولا۔ "جہاں تک میرا خیال ہے جب تم چھت کی منڈیر کے پاس پہنچ گئے ہو گے تب تمہارا پاؤں پھسل گیا ہوگا اور تم چھت سے نیچے جا گرے تمہیں ایسا محسوس ہوا ہوگا کہ کسی نے تمہیں دھکا دیا ہوگا۔" خاور بولا

ذیشان نے کوئی جواب نہ دیا۔ "ذیشان بیٹا تمہیں خاور انکل کے ساتھ شہر جانا ہوگا تاکہ تمہاری ٹانگ کے ایکسرے کروائے جا سکیں۔" محمود نے کہا۔ "پاپا آپ ساتھ نہیں جائیں گے۔" ذیشان حیرانگی سے بولا۔ "نہیں بیٹا مجھے کچھ کام ہے تم کچھ دن کیلئے خاور انکل کے ہاں رہ آؤ تمہارے اسکول سے چھٹیاں میں لے لوں گا۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ذیشان بیٹا یہ آپ کے پاپا نے اچھی بات کہی آپ حمزہ سے بھی مل لیں گے اور اپنی آنٹی سے بھی۔" خاور نے آگے بڑھ کر پیار سے ذیشان کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"لیکن مما کہاں ہیں؟" ذیشان نے عجیب سا سوال کر ڈالا۔ "وہ...... وہ" محمود ہکلا کر رہ گیا۔ "بیٹا آج تم چلو ممی اور پاپا پھر کسی دن آ جائیں گے۔" خاور نے جلدی سے بات سنبھالی۔

"لیکن مما صبح سے مجھے نہیں ملیں اور نہ ہی میرے روم میں آئیں۔" ذیشان معصوم لہجے میں بولا۔ "بیٹا وہ صبح سے آنٹی شازیہ کے گھر گئی ہوئی ہیں آنٹی شازیہ بیمار ہیں وہ انہی کے گھر موجود ہیں......" محمود کو آخر بہانہ سوجھ ہی گیا۔ "چلو بیٹا اب جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔"

"پاپا میری وہ مورتی کہاں ہے جو مجھے میرے دوست نے گفٹ کی تھی؟" ذیشان نے پوچھا۔ "وہ" محمود نے ادھر ادھر دیکھا۔ "ہاں یہ پڑی ہے۔"

محمود نے زمین پر پڑی وہ مورتی اٹھائی اور ذیشان کو دیدی ذیشان کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا گیا، خاور خدا حافظ کہہ کر گاڑی روڈ پر لے آیا۔ "بیٹا یہ کھلونا (مورتی) آپ کے



دوست نے گفٹ کیا ہے۔" خاور نے پوچھا۔

"جی انکل" ذیشان نے جواب دیا...... "کافی اچھا کھلونا ہے۔" خاور نے کہا۔

"جی! مجھے بھی بہت پسند ہے میں اب اسے حمزہ کو گفٹ کروں گا۔" ذیشان نے کہا تو خاور بے اختیار مسکرا دیا۔

ایک گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی شہری حدود میں داخل ہوئی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ذیشان نجانے کب سو گیا تھا جلدی ہی خاور اپنے گھر پہنچ گیا اس نے گاڑی گیراج میں پارک کی اور ملازم کی مدد سے ذیشان کو اندر لے آیا۔

مائرہ اور حمزہ ذیشان سے مل کر بہت خوش ہوئے، خاور نے حمزہ اور مائرہ کو سمجھا دیا کہ وہ ذیشان سے بالکل بھی اس کی مما کا ذکر نہ کریں۔ ذیشان بھی حمزہ اور مائرہ سے مل کر بہت خوش ہوا۔

"ذیشان میں تو تمہارے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا مگر تم تو۔" حمزہ نے بات ادھوری چھوڑی۔ "کوئی بات نہیں حمزہ میں جلدی ہی ٹھیک ہو جاؤں گا پھر ہم دونوں کرکٹ کھیلیں گے۔" ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا جواباً حمزہ بھی مسکرا دیا۔

"ذیشان بیٹا اب تم آرام کرو کل صبح ہم ڈاکٹر کے پاس چلیں گے ٹھیک ہے ناں۔" خاور نے کہا تو ذیشان نے اس بات پر سر ہلا دیا وہ تینوں ذیشان کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ "حمزہ بیٹا اب تم بھی سو جاؤ صبح اسکول بھی جانا ہے۔" مائرہ نے کہا تو حمزہ نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"پتہ چلا فرزانہ کی ڈیتھ کیسے ہوئی؟" مائرہ نے سوال کیا...... "حیرانگی والی بات ہے مائرہ اس کی موت تو بہت خوفناک ہوئی ہے۔" خاور نے کہا تو مائرہ نے حیرانگی کے ساتھ خاور کی طرف دیکھا۔

"وہ کیسے؟" مائرہ نے پوچھا۔

"فرزانہ کے سارے سر سے خون نکلنا شروع ہو گیا تھا، سر کا ایسا کوئی بھی حصہ نہیں تھا جہاں سے خون نہ نکلا ہو فرزانہ کی لاش دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکے جسم کا سارا خون بالوں کی جڑوں کے ذریعے باہر نکل آیا ہو محمود کا کہنا تھا کہ صبح جب وہ ذیشان کے کمرے میں داخل ہوا تو فرزانہ ختم ہو چکی تھی، مگر پھر بھی خون اس کے سر سے نکل رہا تھا۔ فرزانہ کے سر میں ایسا کوئی زخم نہ تھا جس سے یہ پتہ چل سکے کہ فرزانہ کے سر سے خون کیوں نکلا؟ گاؤں کے ڈاکٹر کی رائے یہ تھی کہ خون سر کے بالوں کی جڑوں کے ذریعے نکلا ہے۔ پورا گاؤں حیرانگی سے دوچار تھا۔" خاور نے تفصیلاً بتایا۔

"یہ تو واقعی بہت خوفناک اور حیرانگی والی بات ہے۔" مائرہ کے لہجے میں بھی حیرانگی شامل تھی۔

"بیچارے محمود پر بیوی کی موت اوپر سے بیٹا بھی چھت سے گر پڑا، میں نے سوچا دوستی کے ناطے اس کے کام آنا چاہیے اس لئے میں ذیشان کو اپنے ساتھ لے آیا تاکہ اس کا چیک اپ وغیرہ کروا لوں۔" خاور نے کہا۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا، اسی کا نام تو دوستی ہے۔" مائرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو خاور بھی مسکرا دیا۔

"مجھے تو نیند آ رہی ہے مائرہ وہاں سارا دن زمین پر بیٹھا رہا ہوں۔" خاور ہنستے ہوئے بولا۔ "ہاں، ہاں آپ سو جائیے۔" مائرہ تیز لہجے میں بولی وہ دونوں اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھے۔

ڈور بیل کی تیز آواز نے خاور کو گہری نیند سے جاگنے پر مجبور کر دیا خاور پہلے تو غور کرتا رہا کہ وہ کس وجہ سے جاگا ہے پھر ڈور بیل دوبارہ بجنے پر وجہ جان گیا اس نے آنکھیں ملتے ہوئے پاس پڑے ٹیبل لیمپ کو جلایا اور ٹیبل گھڑی کو اٹھا کر دیکھا تو رات کے ڈھائی کا وقت تھا۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" خاور کے منہ سے حیرانگی کے باعث نکلا وہ اٹھ کر بیٹھا ڈور بیل نے دوبارہ اسے اپنی طرف متوجہ کیا اس نے مائرہ پر نظر ڈالی وہ گہری نیند کے مزے لوٹ رہی تھی خاور نے چپل پہنی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ لان میں آیا اس دوران ڈور بیل دو دفعہ بج چکی تھی۔ وہ باہر دیکھنے لگا مگر باہر صاف سڑک کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ "یہ کیا...... باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔" خاور پریشانی سے بڑبڑایا۔ "کک۔ کون ہے؟"

مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ "کون ہے؟" ایک مرتبہ پھر خاور نے پوچھا مگر اس دفعہ بھی کوئی جواب موصول نہ ہوا باہر سوائے خاموشی کے کچھ نہ تھا خاور نے آگے بڑھ کر

گیٹ کا لاک کھولا اور گیٹ کھول کر باہر نکل آیا باہر ہر طرف مکمل طور پر سناٹے کا عالم تھا دور دور تک سیاہ سڑک کے علاوہ کچھ نہیں تھا سڑک کے دونوں اطراف میں سرکاری لائٹیں روشن تھیں۔ "یہ...... یہ کیا ماجرا ہے۔" خاور سر کھجاتے ہوئے بولا اس نے ایک مرتبہ پھر اردگرد دیکھا اور اندر آ کر گیٹ لاک کر کے دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا وہ بیڈ پر لیٹ کر اس نے ٹیبل لیمپ کو آف کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

اسی وقت ایک اور تیز آواز اس کے کانوں میں پڑی وہ دوبارہ اٹھ کر بیٹھا۔ "خاور یہ کیسی آواز تھی؟" مائرہ نے پوچھا اس دفعہ اس تیز آواز نے مائرہ کو بھی اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا، خاور نے غور کیا تو اسے پتہ چل گیا کہ یہ لان میں کھڑی گاڑی کے سیکورٹی الارم کی آواز تھی جو دروازے کے ہینڈل کو چھونے سے چیخ اٹھتا ہے۔ "یہ...... یہ تو گاڑی کے الارم کی آواز ہے۔" مائرہ پریشان کن لہجے میں بولی۔

"دل...... لگتا ہے ہمارے گھر میں کوئی چور گھس آیا ہے۔" خاور ہکلاتے ہوئے بولا، خوف کے باعث مائرہ کا برا حال تھا۔

"تت...... تت...... تم گھبراؤ مت...... مم...... میں دیکھتا ہوں......" خاور ہکلاتے ہوئے بولا۔

"نن...... نہیں آپ مت جایئے۔" مائرہ نے گھبراتے ہوئے خاور کا بازو مضبوطی سے پکڑا۔ "تم گھبراؤ مت...... دیکھنا تو پڑے گا۔" خاور نے کہا۔ "آپ پولیس کو فون کریں۔" مائرہ نے کہا تو خاور نے پاس پڑے ٹیلی فون کا ریسور اٹھایا اور پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائل کرنے لگا لیکن دوسری طرف سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ "یہ تو کمبخت نکمے ہیں۔" خاور نے غصے سے ٹیلی فون کا ریسور کریڈل پر پٹخا۔

باہر گاڑی کا الارم مسلسل بجے جا رہا تھا۔ خاور بیڈ سے نیچے اترا اور آگے بڑھ کر اس نے ٹیبل کا دراز کھول کر ریوالور نکال لیا۔ "تم گھبراؤ مت میں دیکھتا ہوں۔" خاور نے مائرہ کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"مم...... میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" مائرہ نے کہا۔ "نہیں تم یہیں ٹھہرو۔" اتنا کہہ کر خاور دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ لان میں پہنچا باہر اسکی گاڑی کا الارم بار بار چیخ رہا تھا، خاور نے اردگرد نظریں دوڑائیں مگر وہاں کسی ذی روح کا نشان تک نہیں تھا، خاور نے آگے بڑھ کر پورا لان دیکھ ڈالا مگر وہاں کوئی نہیں تھا اب وہ گاڑی کے قریب آیا۔

"الارم خود بخود تو بج نہیں سکتا۔" خاور نے الجھن آمیز لہجے میں کہا وہ کافی دیر گاڑی کو گھورتا رہا اور پھر دوبارہ اپنے کمرے میں آیا۔ "کک...... کون تھا باہر؟" مائرہ بے چینی اور پریشان لہجے میں بولی۔ "باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔" خاور نے کہا۔

"تو پھر گاڑی کا الارم کیوں بج رہا تھا؟" مائرہ نے پوچھا۔

"پپ...... پتہ نہیں...... حیرانگی ہے۔" خاور نے گاڑی کا ریموٹ لیا اور باہر آ کر گاڑی کو خاموش کیا اور دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ "کہیں گاڑی کا الارم تو خراب نہیں ہو گیا۔" مائرہ نے خدشہ ظاہر کیا۔ "ہو بھی سکتا ہے۔" خاور نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہو بھی سکتا ہے...... کیا مطلب؟" مائرہ نے حیرانگی سے لفظ دہراتے ہوئے پوچھا۔ "مطلب یہ کہ گاڑی کا الارم تو خراب ہو سکتا ہے مگر اس سے پہلے ڈور بیل بھی بجی تھی میں نے باہر جا کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔ میں نے گیٹ سے باہر جھانکا مگر باہر کوئی نہیں تھا۔" خاور نے بتایا۔

"یہ...... یہ کیا چکر ہے؟" مائرہ نے کہا۔ "چکر ہی تو سمجھ نہیں آ رہا پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔" خاور نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی کنپٹی کو مسلا۔

"مم...... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" مائرہ کانپتے ہوئے بولی۔ "آپ...... آپ" مائرہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی کیا ہوا مائرہ؟ خاور نے پوچھا...... "وہ...... وہ" اتنا ہی کہہ کر وہ تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھی خاور بھی تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگا دونوں بچوں کے کمرے میں آئے وہاں ذیشان اور حمزہ سنگل سنگل بیڈ پر نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ دونوں ٹھیک ہیں۔" مائرہ نے اللہ کا شکر ادا کیا وہ دونوں دوبارہ اپنے کمرے میں آئے۔ "یہ تو عجیب بات ہے۔" مائرہ نے کہا۔



"عجیب تو واقعی ہے مائرہ باہر بھی کوئی نہیں تھا اور گاڑی کا الارم بلاوجہ ہی بج اٹھا۔" خاور نے کہا۔ لیکن مائرہ نے کوئی جواب نہ دیا بس پریشانی سے خاور کا منہ تکے جا رہی تھی وہ رات انہوں نے جاگتے ہوئے گزاری۔

"ہڈی تو فریکچر ہونے سے بچ گئی ہے اور اب تو ماشاء اللہ ذیشان کچھ ٹھیک نظر آ رہا ہے۔" ڈاکٹر نے ایکسرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکر ہے۔" خاور کے منہ سے خوشی کے باعث نکلا۔

"اب پریشانی والی تو کوئی بات نہیں جلد ہی ذیشان چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"تھینکس ڈاکٹر۔" خاور نے کہا اور ڈاکٹر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ ذیشان بے ساکھیوں کے سہارے چل رہا تھا وہ اب کافی بہتر ہو گیا تھا اور بیساکھیوں کے سہارے چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ محمود اسے لینے آیا تھا مگر وہ یہاں مزید رہنا چاہتا تھا اس لئے محمود دوبارہ گاؤں واپس جا چکا تھا ماں کی حسرتناک موت سے وہ آگاہ ہو چکا تھا ابھی وہ کم عمر تھا اس لئے بات کو اس نے زیادہ محسوس نہ کیا حمزہ اس کا اچھا دوست بن چکا تھا۔ چند دن بعد محمود دوبارہ آ گیا تھا۔ باپ سے مل کر ذیشان بہت خوش ہوا۔ "کیسے ہو ذیشان بیٹا؟" محمود اسے گلے لگاتے ہوئے بولا۔ "پہلے سے کافی بہتر ہوں پاپا۔" ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے آج تم پھر ذیشان کو لینے کے لئے آئے ہو۔" خاور نے مصنوعی غصے کے ساتھ کہا۔

"ہاں اور آج میں اسے لے کر جاؤں گا۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور اگر ہم لوگ اسے جانے نہ دیں تو۔" خاور نے بظاہر اسے چیلنج کیا۔

"نہیں خاور ویری ویری تھینکس...... تم تو جانتے ہو اب اس کے علاوہ میرا دنیا میں اور تو کوئی رہا نہیں فرزانہ کے بغیر وہ گھر مجھے اب کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے اور ذیشان بھی یہیں ہے گھر میں دل نہیں لگتا۔" محمود نے بظاہر اپنی مجبوری سنائی۔

"تو محمود بھائی آپ بھی یہاں ہمارے ساتھ رہیئے تاکہ آپ کا دل بھی بہل جائے۔" اس مرتبہ مائرہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"تھینکس مائرہ بھابھی لیکن پیچھے کام کا بھی حرج ہوگا اور ویسے بھی ذیشان بیٹا تمہارے تینوں دوست ہر روز گھر آ کر تمہارا پوچھتے ہیں۔" محمود نے پہلے مائرہ اور پھر ذیشان کی طرف دیکھا۔

"واقعی پاپا" ذیشان چہکا۔ "جی بیٹا" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دلی بھی آتا ہے۔" ذیشان نے پوچھا۔ "وہ تو ہر روز آتا ہے اور کہتا ہے انکل ذیشان جلدی سے لے آئیں۔" محمود نے بتایا۔

"اچھا...... تو پھر چلتے ہیں پاپا میں بھی اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے بے تاب ہوں۔" ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے بیٹا۔" محمود نے کہا۔

"اب جب ذیشان بیٹے نے ہی ہاں کر دی ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" خاور مسکراتے ہوئے بولا تو محمود اور ذیشان بھی مسکرا دیے۔ "بیٹا حمزہ سے تو ملتے جانا۔"

"نہیں خاور مجھے جلدی ہے یہ دونوں فون پر بات کر لیں گے مجھے اب جانا ہوگا۔" محمود کا لہجہ بظاہر منت ساجت سے بھرپور تھا۔

"ٹھیک ہے پھر میں حمزہ کو بتا دوں گا۔" خاور نے کہا۔

"انکل میں حمزہ کے لئے گفٹ بھی لایا تھا مگر نہ جانے وہ مجھ سے کہاں کھو گیا۔" ذیشان نے کہا۔

"ذیشان بیٹا جب ہم دوبارہ خاور انکل کے گھر آئیں گے تو حمزہ کے لئے ڈھیر سارے گفٹ لے کر آئیں گے۔" محمود نے کہا تو ذیشان خوش ہو گیا۔

"اچھا خاور میں چلتا ہوں تمہارا بہت بہت شکریہ۔" "غیروں جیسی باتیں نہیں کرتے۔ ذیشان میرے بیٹے جیسا ہے۔" خاور نے کہا تھوڑی دیر بعد وہ چلے گئے۔

"مائرہ میں ذرا اپنے دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔"

واپسی پر خاور گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا

مائرہ پریشانی سے لان میں ٹہل رہی تھی۔ "خیر تو ہے مائرہ تم کافی پریشان نظر آرہی ہو..... خاور نے پوچھا۔

"حمزہ ابھی تک نہیں آیا وہ اس وقت تک تو آجاتا ہے۔" مائرہ پریشان کن لہجے میں بولی۔ "پتہ نہیں اسے دیر کیوں ہوگئی۔؟"

اسی وقت اندر موجود ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی وہ دونوں تیزی سے اندر کمرے میں آئے خاور نے آگے بڑھ کر ریسور اٹھایا۔ "ہیلو کون؟" خاور نے فون کا ریسور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "خاور بیگ سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے سخت لہجے میں کہا گیا۔

"ج..... جی میں خاور بول رہا ہوں۔" خاور ہکلایا۔

"مسٹر خاور آواز سے تو آپ کافی سمجھدار معلوم ہوتے ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ آپ سمجھداری کا ثبوت ہی دیں گے۔" دوسری طرف سے کہا گیا تو خاور چونکا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا آپ یہ بتایئے کہ آپ کون بول رہے ہیں؟" خاور نے پوچھا مائرہ پاس ہی کھڑی تھی اور وہ بے چین سی خاور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں کون بول رہا ہوں اس بات کو چھوڑو جہاں تک میری بات کا مطلب کا سوال ہے تو خاور بیگ تمہارا معصوم بیٹا اس وقت میرے قبضے میں ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ک..... کیا.....؟" خاور جیسے چلایا مائرہ حیران ہوئی وہ تیزی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی جو تھک کر پاس پڑے صوفے پر بیٹھ چکی تھی اور دوبارہ بے چینی کے عالم میں خاور کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

"سمجھداری اسی میں ہے خاور بیگ کہ کوئی بھی چالاکی نہ کرنا ورنہ تمہارے بیٹے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا..... لہجہ بدستور سخت تھا۔

"د..... د..... دیکھو..... م..... میرے بیٹے کو کچھ نہ کرنا خدا کیلئے" خاور تڑپتے ہوئے بولا۔

"حمزہ کہاں ہے خاور؟" مائرہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"بس خاور بیگ تم پولیس کو فون مت کرنا باقی میں گارنٹی دیتا ہوں کہ تمہارے بیٹے کو کچھ نہیں ہوگا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ن..... نہیں..... م..... م..... میں..... پ..... پولیس کو خبر نہیں کروں گا۔" خاور ہکلاتے ہوئے بولا۔

"گڈ اسلئے میں نے تمہیں سمجھدار کہا تھا۔ ویسے ایک بات ہے تمہارا بیٹا بڑا پیارا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"دیکھئے..... بتایئے..... آپ کیا چاہتے ہیں آپ جتنے پیسے چاہیں گے میں آپ کو دینے کو تیار ہوں۔" خاور گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "پیسے؟" دوسری طرف موجود آدمی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"تو تم یہ سمجھے کہ تمہارے بچے کا جو کڈنیپ کیا ہے وہ پیسوں کے لئے کیا ہے۔"

خاور حیران ہوا..... "تو..... تو پھر آپ کا مقصد کیا ہے؟" خاور نے پوچھا۔

"مقصد" خاور بیگ تمہارے بچے کے عوض میں بہت چھوٹی سی چیز چاہتا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آپ بتایئے میں سب کچھ دینے کے لئے تیار ہوں۔" خاور ہیجانی لہجے میں بولا۔

"نہیں خاور بیگ میں تمہاری چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں چاہتا وہ چیز دراصل میری اپنی ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آپ کی چیز..... وہ بھلا میرے پاس کیسے آسکتی ہے۔" خاور حیران ہوا۔

"اتفاق سے..... وہ چیز دراصل آپ کے پاس پہنچی ہے۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

"وہ کیا چیز ہے؟" خاور نے پوچھا۔

"وہ" ابھی دوسری طرف سے اتنا ہی کہا گیا تھا کہ رابطہ منقطع ہوگیا۔

"ہیلو..... ہیلو" خاور "ہیلو ہیلو" کرتا ہی رہ گیا مگر دوسری طرف سے رابطہ کاٹ دیا گیا۔

"ک..... کس کا فون تھا..... م..... میرا بیٹا کہاں ہے؟" خاور نے فون کا ریسور رکھا تو مائرہ نے روتے ہوئے پوچھا۔ "وہ..... وہ کسی نے حمزہ کو کڈنیپ کرلیا ہے۔" خاور بولا۔

"ن..... نہیں" مائرہ جیسے چلائی ساتھ ہی وہ لہرا کر فرش پر جا گری۔

"م..... مائرہ..... خاور تیزی سے مائرہ کی طرف بڑھا مائرہ بے ہوش ہوچکی تھی۔

☆.....☆.....☆

حمزہ اسکول سے باہر نکلا اس کا اسکول گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ "بائے حمزہ" اس کے دوستوں نے کہا تو وہ بھی ہاتھ ہلاتا ہوا سڑک کے ایک طرف بنے فٹ پاتھ پر چلنے لگا اچانک ایک سفید رنگ کی گاڑی اس کے پاس آکر رکی وہ چونکتے ہوئے رکا گاڑی کی بائیں طرف کا شیشہ ڈاؤن ہوا اور حمزہ کو ایک خوبصورت لڑکی کا چہرہ نظر آیا۔ "بیٹا بلاک بی کس طرف ہے؟" اس لڑکی نے پوچھا۔

"بلاک بی" حمزہ نے حیرانگی سے لفظ دہرایا۔ "پتہ نہیں۔"

وہ لڑکی مسکرائی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ "یہ بلاک بی" اوہ نہیں۔ حمزہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا..... "بلاک بی میں ہی تو میرا گھر ہے۔"

وہ لڑکی اب تھوڑی دور کھڑی ابلی آلو بخارے کی ریڑھی کے پاس اپنی گاڑی کھڑی کرکے شاید بلاک بی کا ہی پوچھ رہی تھی اسی وقت ایک اور نیلے رنگ کی کار تیزی سے حمزہ کے پاس آکر رکی۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا اور ایک شخص تیزی سے باہر نکلا۔ حمزہ اسے دیکھ کر ڈر سا گیا کیونکہ اس آدمی کے ارادے نیک نہیں تھے۔ اس آدمی نے آگے بڑھ کر حمزہ کے منہ پر ہاتھ رکھا اور تیزی سے گاڑی میں بیٹھا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھا لی۔ یہ کڈنیپنگ اتنی تیزی سے ہوئی کہ کسی کو پتہ بھی نہ چل سکا۔ "ک..... ک..... کون ہیں آپ لوگ..... م..... مجھے میری مما کے پاس جانا ہے۔" حمزہ روتے ہوئے بولا۔

گاڑی میں اس وقت تین آدمی موجود تھے دو اگلی سیٹوں پر اور ایک پچھلی سیٹ پر۔ "بیٹا ہم تمہیں تمہاری مما کے پاس ہی تو لے کر جا رہے ہیں۔" وہ آدمی بولا جس نے حمزہ کو پکڑ رکھا تھا۔ "نہیں آپ برے لوگ ہو..... آپ مجھے میری مما کے پاس لے کر نہیں جا رہے خدا کے لئے مجھے چھوڑ دیں۔" حمزہ بدستور روتے ہوئے بولا......

"اے جگو چپ کروا سے۔" ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا آدمی سخت لہجے میں بولا۔ "ابھی لو استاد۔" جگو نے کہا اور جیب سے ایک سفید رنگ کا رومال نکالا اور حمزہ کی ناک پر رکھ دیا اور چند ہی سیکنڈ میں حمزہ بے ہوش ہوگیا۔

حمزہ کو جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک کمرے میں پایا جو زیادہ بڑا نہیں تھا کمرے میں ایک چارپائی موجود تھی جس پر وہ لیٹا ہوا تھا کافی دیر وہ چھت کو گھورتا رہا پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا بیتے ہوئے مناظر کسی فلم کی طرح اسکی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔

وہ تین آدمی تھے جنہوں نے اسے اغواء کیا تھا وہ اپنے ماں باپ کو یاد کرکے رونے لگا کمرے میں سوائے اس چارپائی کے علاوہ کچھ نہیں تھا یہاں تک کہ کمرے میں کوئی روشن دان بھی نہیں تھا صرف ایک دروازہ تھا جو یقیناً باہر سے بند تھا تھوڑی دیر بعد کمرے کا اکلوتا دروازہ کھلا اور وہی آدمی جس نے اسے اغواء کیا تھا وہ ہاتھ میں کھانے کی ٹرے پکڑے اندر داخل ہوا اگلی سیٹ پر بیٹھے آدمی نے اسے جگو کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ "لو یہ کھانا کھالو" جگو ذرا سخت لہجے میں بولا۔ "نہیں..... مجھے اپنی ممی کے پاس جانا ہے۔" حمزہ نے روتے ہوئے کہا۔ "وہاں بھی بھیج دیں گے پہلے تم کھانا کھالو" جگو مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ مجھے نہیں بھیجیں گے" حمزہ بدستور روتے ہوئے بولا۔

"بھیجیں گے تو ضرور اگر تمہارے پاپا ہمارے باس کی بات مان لیں گے تو ہم تمہیں تمہارے ممی پاپا کے پاس چھوڑ آئیں گے۔" جگو نے کہا۔

"کون سی بات ہے؟" حمزہ نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ کوئی چیز ہے جو باس کو چاہئے وہ تمہارے پاپا کے پاس ہے اگر

تمہارے پاپا نے وہ چیز پاس کو دیدی تو پاس تمہیں چھوڑ دیں گے ورنہ تم بھی رہو گے۔" جگو یہ بات کہتے ہوئے مسکرایا بھی تھا۔

"آپ...... آپ میرے پاپا سے بات کروائیں میں اپنے پاپا سے کہوں گا کہ وہ چیز آپ لوگوں کو دیدیں۔" حمزہ نے کہا۔

"وقت پڑنے پر یہ بھی کریں گے فی الحال تم یہ کھانا کھا لو ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے پاپا سے بات ہو جائے گی دیکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں۔" جگو نے کہا اور کھانے کی ٹرے زمین پر رکھ کر کمرے سے باہر نکل آیا اور حمزہ ٹرے میں پڑے کھانے کو گھورنے لگا بھوک تو اسے بڑے زوروں کی لگی ہوئی تھی ٹرے میں سیب اور کیلے بھی پڑے ہوئے تھے حمزہ نے کھانا کھایا اور باقی بچا کھچا کھانا ایک طرف رکھ دیا اب وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو اس کے پاپا سے کیا چاہئے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ لاک تھا۔ وہ دوبارہ چارپائی پر آ کر بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر ماں باپ کی یاد نے اسے اپنی طرف کھینچا اس نے پھر بے بسی کے عالم میں رونا شروع کر دیا۔

اس وقت ایک مردانہ چیخ کی آواز گونجی۔ حمزہ کا رونا یکدم بند ہو گیا وہ اٹھ کر دروازے کے قریب آیا۔ حمزہ کو باہر سے دروازے کی کنڈی کھلنے کی آواز سنائی دی، اس وقت دروازہ کھلا اور باہر کھڑی شخصیت کو دیکھ کر حمزہ حیران رہ گیا، وہ اس شخصیت کو اچھی طرح جانتا تھا، باہر وہی لڑکی کھڑی تھی جس نے اس سے بلاک بی کا پوچھا تھا۔ اس لڑکی نے ہاتھ میں لوہے کی ایک سلاخ پکڑ رکھی تھی۔ "چلو بیٹا جلدی کرو ہمیں یہاں سے جلدی نکلنا ہے۔" وہ لڑکی تیز آواز میں بولی لیکن حمزہ حیرت سے مجسمہ بنا اسے گھور رہا تھا۔

☆......☆......☆

گاڑی کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک خوبصورت لڑکی باہر نکلی سامنے موجود بڑی سی بلڈنگ پر "Mental Hospital" لکھا ہوا تھا وہ اسپتال میں موجود ایک طرف بنی لفٹ کی طرف بڑھی اور لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر پہنچی وہ لفٹ سے باہر نکلی سامنے ایک لمبی راہداری تھی جس میں کئی پاگل اپنے پاگل پن میں مصروف تھے ایک پاگل سر زمین پر لگائے اور ٹانگیں دیوار کے ساتھ لگائے کہہ رہا تھا۔ "میں صحیح کہتا تھا کہ یہ دنیا ہے ہی الٹی۔"

ایسے ہی اور بھی کئی پاگل اپنے اپنے انداز میں اپنے اپنے نظریے پیش کر رہے تھے وہ لڑکی چلتے چلتے اچانک ایک کمرے کے پاس رکی ایک عجیب سی حیرانگی اس کے چہرے پر عیاں ہو گئی وہ بوجھل قدموں کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوئی کمرے میں ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھ اور ٹانگیں اوپر کئے فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ لڑکی اس آدمی کے سامنے آئی۔ اس آدمی نے آنکھیں بند کی ہوئیں تھیں۔ اس آدمی کا چہرہ دیکھ کر لڑکی مزید حیران ہو گئی۔ "وہ ...... داؤد...... تت...... تم!!!" حیرانگی کے باعث لڑکی کے منہ سے نکلا اس آدمی نے آنکھیں کھولیں۔ "ارے پروفیسر صاحب آپ۔"

"نہیں داؤد میں پروفیسر عباس نہیں بلکہ ڈاکٹر شازیہ ہوں۔" وہ لڑکی بولی۔

"ڈاکٹر شازیہ...... لیکن تم لگتی تو نہیں ڈاکٹر شازیہ...... تم پروفیسر عباس ہو۔" وہ آدمی مسکراتے ہوئے بولا...... "کیسی باتیں کر رہے ہو تم، داؤد پروفیسر عباس ایک مرد تھا جبکہ میں ایک لڑکی۔"

"کیسی پاگلوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" ڈاکٹر شازیہ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

"پاگل...... میں پاگل نہیں ہوں ڈاکٹر صاحب آپ ہر وقت مجھے پاگل کہتے رہتے ہیں خدا کیلئے مجھے پاگل نہ کہا کریں۔" داؤد نے یکدم اٹھ کر ڈاکٹر شازیہ کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے منت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں تمہیں پاگل کیوں کہوں گی داؤد تم تو بالکل ٹھیک ہو۔" ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تھینکس ڈاکٹر صاحب۔ ڈاکٹر صاحب یہاں ابھی ابھی ڈاکٹر شازیہ آئیں تھیں کیا وہ چلی گئیں۔" داؤد نے کہا تو ڈاکٹر شازیہ بے بسی کے عالم میں اس کا منہ ہی دیکھتی رہ گئی۔ "وہ، وہ" ڈاکٹر شازیہ ہکلائی...... "وہ چلی گئی۔"



"تو آپ کیا ڈاکٹر شازیہ کا بھوت ہیں۔" اتنا کہہ کر داؤد زور دار انداز میں ہنسنے لگا۔

"یہ بیوقوف تو واقعی پاگل ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر شازیہ غصے سے بڑبڑائی۔

ڈاکٹر شازیہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی داؤد بار بار موضوع سے ہٹ جاتا تھا۔ "پروفیسر صاحب اس دن جب آپ زخمی حالت میں زمین پر گرے پڑے تھے تو آپ کے پاس ایک مورتی پڑی ہوئی تھی جسے اٹھا کر میں بس اسٹاپ کی طرف گیا تھا لیکن راستے میں ہی میری جیب میں ہلچل سی پیدا ہوئی جس میں مورتی تھی اسی وقت ایک بچہ اچانک جھاڑیوں سے نکل کر سڑک کے عین درمیان میں آ کر کھڑا ہو گیا میں نے بریکیں لگائیں تو بریکیں فیل تھیں مجبوراً بچے کو بچانے کے لئے میں نے اسٹیرنگ مکمل طور پر گھما دیا اور جیپ درخت سے جا ٹکرائی اور میرا سر بھی اسٹیرنگ سے جا ٹکرایا اور میں مر گیا...... داؤد نے کہا تو دلچسپی سے داؤد کی داستان سننے والی ڈاکٹر شازیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"تو تم زندہ کیسے ہوئے؟" ڈاکٹر شازیہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں میں کیوں مروں مریں آپ۔" اتنا کہہ کر داؤد زمین پر بیٹھا اور زور زور سے رونے لگا۔

"ارے داؤد...... تم...... تم یہ کیا کر رہے ہو؟"...... ڈاکٹر شازیہ گھبراتے ہوئے بولی مگر داؤد پر کوئی اثر نہ ہوا وہ کسی بچے کی طرح رو رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہاں اسپتال کا عملہ آ گیا ساتھ ہی اسپتال کا انچارج ڈاکٹر آصف بھی تھا۔ "ارے ڈاکٹر شازیہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" ڈاکٹر آصف حیرانگی کے عالم میں بولا۔

"ڈاکٹر صاحب میں اسے جانتی ہوں۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔ "پروجیکٹ پر پروفیسر عباس کے اسسٹنٹ یہ تھے اور میں وہاں ایمرجنسی اور مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے وہاں موجود تھی۔"

"ان کا بڑا زبردست ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور دماغی چوٹ لگنے کی وجہ سے یہ پاگل ہو گئے ہیں اور پاگل بھی عجیب قسم کے...... ایک بات کے ختم ہوتے ہی کوئی نیا موضوع چھیڑ لیتے ہیں اور پھر اس کے بعد نیا پہلی بات بالکل بھول جاتے ہیں۔" ڈاکٹر نے عجیب بات بتائی۔

"اوہ" حیرت کے باعث ڈاکٹر شازیہ کے منہ سے نکلا۔

"آپ اپنے بھائی سے ملنے آئیں ہوں گی۔" ڈاکٹر آصف نے خدشہ ظاہر کیا۔

"جی" ملنے تو بھائی سے ہی آئی تھی پھر مجھے داؤد نظر آ گیا اور میں یہاں آ گئی۔" ڈاکٹر شازیہ نے بتایا۔

"آپ میرے آفس میں چلئے میں آتا ہوں۔" ڈاکٹر آصف نے کہا تو ڈاکٹر شازیہ اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل آئی اور ڈاکٹر آصف کے آفس میں آ کر بیٹھ گئی تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آصف بھی وہاں آ گیا اس کے ہاتھ میں وہی اخبار پکڑا ہوا تھا تھوڑی دیر پہلے داؤد نے پکڑا ہوا تھا ڈاکٹر آصف اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "ہاں تو ڈاکٹر شازیہ...... میں کہہ رہا تھا کہ داؤد بڑا عجیب وغریب قسم کا پاگل ہے کچھ دن پہلے یہ اخبار مجھے دکھایا اور کہا اس گھر پر جو مصیبت آئی ہے وہ اس قاتل مورتی کی وجہ سے آئی ہے، جب میں نے پوچھا کہ کونسی قاتل مورتی؟ تو پھر کسی اور نئے موضوع پر بات شروع کر دی۔" ڈاکٹر آصف نے وہ اخبار ڈاکٹر شازیہ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر شازیہ نے وہ اخبار اٹھایا اور فرنٹ پیج پر چھپی موٹی موٹی سرخیاں پڑھنے لگی۔

"پھلواری گاؤں میں فرزانہ نامی عورت کی خوفناک موت۔"

تفصیل کچھ یوں تھی۔

پھلواری گاؤں میں فرزانہ نام کی عورت کی حیرت انگیز موت نے سب کو حیران کر دیا اس عورت کے شوہر محمود کو فرزانہ کی لاش اپنے بیٹے کے کمرے سے ملی فرزانہ کے سر میں موجود بالوں کی جڑوں کے ذریعے خون نکلنے لگا تھا۔ پورا گاؤں فرزانہ کی اس موت پر حیران ہے ڈاکٹر حضرات بھی یہ نہ بتا سکے کہ وہ خون کیوں

نکلا، ڈاکٹروں کو بھی کوئی وجہ سمجھ نہ آسکی۔

ڈاکٹر شازیہ نے وہ خبر دوبارہ پڑھی...... داؤد کا کہنا ہے کہ اس عورت کی موت اس قاتل مورتی کی وجہ سے ہوئی ہے۔" ڈاکٹر آصف نے بتایا۔ "ہوں" ڈاکٹر شازیہ نے ایک گہری سانس کھینچیں۔ "اکثر باتوں باتوں میں عجیب باتیں کرتا رہتا ہے وہ مجھے مار ڈالے گا، میں وہاں پہنچا تو وہاں میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا، وہ قاتل مورتی سب کو مار ڈالے گی وغیرہ وغیرہ۔" ڈاکٹر نے مزید حیران کن باتیں بتائیں۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب میں اب چلتی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اپنے پاگل بھائی سے مل کر اسپتال سے باہر نکل آئی وہ اپنی گاڑی میں بیٹھی۔ "مجھے اس گھرانے کے افراد سے ملنا چاہئے ہونہ ہو مورتی وہی ہے۔" ڈاکٹر شازیہ خود سے ہمکلام ہوئی۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور فراٹے سے گاڑی آگے بڑھنے لگی۔

وہ پھلواری گاؤں میں داخل ہوئی ایک آدمی سے اس نے محمود کے گھر کا پتہ پوچھا اور جلد ہی وہ محمود کے گھر کے سامنے پہنچ گئی۔ دن کے گیارہ بج رہے تھے، ڈوربیل بجنے پر گھر کے ملازم نے دروازہ کھولا۔ "میں محمود صاحب سے ملنا چاہتی ہوں، مجھے ان سے کچھ کام ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے ملازم کو اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ "صاحب تو شہر سے آرہے ہیں ان کا فون آیا تھا کہ وہ دس پندرہ منٹ میں پہنچنے والے ہیں۔" ملازم نے بتایا۔ "ہوں" "تو کیا میں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرسکتی ہوں۔" ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے ملازم سے پوچھا۔ "جی ضرور۔" ملازم خوش اخلاقی سے بولا۔

آج ڈاکٹر شازیہ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ گاؤں کے لوگ واقعی خوش مزاج ہوتے ہیں۔ ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور پھر شربت لے آیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد محمود اندر داخل ہوا۔ "السلام علیکم" اس نے ڈاکٹر شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام...... ڈاکٹر شازیہ نے جواب دیا۔ "جی فرمایئے۔" محمود نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"محمود صاحب میں ڈاکٹر شازیہ ہوں یہاں ہماری ٹیم آپ کے گاؤں میں ایک پروجیکٹ پر کام کررہی تھی کہ وہاں موجود ہیڈ پروفیسر عباس کی اچانک پراسرار موت ہوگئی اور پھر۔" ابھی ڈاکٹر شازیہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ بیساکھیوں کی ٹک ٹک نے ڈاکٹر شازیہ کی بات میں خلل ڈالا اور ڈاکٹر شازیہ اس طرف متوجہ ہوگئی۔

بیساکھیوں کے سہارے چلتا ہوا ذیشان اندر داخل ہوا۔ "السلام علیکم۔" ذیشان نے ڈاکٹر شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "وعلیکم السلام! کیسے ہو بیٹا۔" ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ آئی ایم فائن...... اتنا کہہ کر ذیشان صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یہ میرا بیٹا ہے ذیشان۔" محمود نے ذیشان کا تعارف کروایا۔ ڈاکٹر شازیہ الجھن بھری نگاہوں سے محمود کی طرف دیکھنے لگی، وہ بظاہر یہ کہہ رہی تھی کہ وہ جو بات کہنا چاہتی ہے وہ ذیشان کی موجودگی میں نہیں ہوسکتی اور محمود بھی اس کی الجھن بھری نگاہوں کا مطلب سمجھ گیا۔

"ذیشان بیٹا تم، اندر چلو میں ڈاکٹر صاحبہ کی بات سن کر ابھی آتا ہوں۔" محمود نے کہا تو ذیشان نے اثبات میں سر ہلایا اور دوبارہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ہاں تو ڈاکٹر صاحبہ آپ کچھ کہہ رہی تھی۔" محمود نے ذیشان کے جانے کے بعد ڈاکٹر شازیہ کو یاد دلایا۔

"جی ہاں! اور پھر وہاں ڈاکٹر صاحب کے اسسٹنٹ داؤد کا بھی ایکسیڈنٹ ہوگیا، انہیں کافی خراب حالت میں شہر لے جایا گیا اور پروجیکٹ والا کام بند ہوگیا۔ میں سمجھی پروفیسر عباس کی طرح داؤد بھی اس جہان فانی سے کوچ کرگیا ہے لیکن آج صبح میں پاگل خانے میں اپنے بھائی سے ملنے گئی تو وہاں مجھے داؤد ملا جو مکمل طور پر پاگل ہو چکا ہے اس نے مجھے بڑی حیران کن باتیں بتائیں۔" یہاں تک کہہ کر ڈاکٹر شازیہ سانس لینے کیلئے رکی۔

"وہ حیران کن باتیں کیا تھیں ڈاکٹر صاحبہ۔" محمود نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس نے بتایا کہ آپ کے گھر پر جو مصیبت آئی یعنی آپ کی بیوی کی جو اتنی خوفناک موت ہوئی ہے وہ ایک قاتل مورتی کی وجہ سے ہوئی ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا تو محمود کو حیرت کا ایک زوردار جھٹکا لگا۔

"یہ...... یہ...... آپ...... کک...... کیا کہہ رہی ہیں؟" محمود ہکلاتے ہوئے بولا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں، پروفیسر عباس اور داؤد کو کھدائی کے دوران ایک پرانے محل کے آثار ملے وہ اس محل میں داخل ہوئے تو اس محل سے انہیں کافی سارا سونا، ایک لاش اور ایک مورتی ملی جہاں تک میرا خیال ہے پروفیسر عباس کی موت بھی اس مورتی کی وجہ سے ہوئی ہوگی۔ داؤد نے ضرور کچھ خوفناک دیکھا ہوگا جس کی بنیاد پر وہ کہہ رہا تھا کہ آپ کی بیوی کی موت اس قاتل مورتی کی وجہ سے ہوئی ہوگی۔" ڈاکٹر شازیہ نے تفصیلاً ساری بات بتائی۔

"مورتی...... ارے یاد آیا۔" محمود کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ "ذیشان کے پاس ایک مورتی۔ میں نے دیکھی تو تھی۔"

محمود تیزی سے اٹھا۔ "میں ذیشان کو لے کر آتا ہوں۔" محمود تیزی سے اندرونی کمرے کی طرف بڑھا، تھوڑی دیر بعد ذیشان پھر محمود کے ساتھ بیساکھیوں کی ٹک ٹک کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ "ہاں تو بیٹا بتاؤ تمہارے پاس وہ مورتی تھی۔" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں میرے پاس واقعی ایک مورتی تھی لیکن جب میں خاور انکل کے گھر گیا تو وہ مورتی کہیں کھوگئی۔" ذیشان نے بتایا۔ "تو اس کا مطلب ہے...... ویسے خاور صاحب کون ہیں؟" ڈاکٹر شازیہ نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"وہ میرا دوست ہے جو شہر میں رہتا ہے۔" محمود نے بتایا۔ "اس کا مطلب وہ مورتی وہاں ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"کیا......؟" محمود چلایا۔

"جی ہاں اس سے پہلے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوں مجھے ان کے پاس پہنچنا چاہئے اور وہ مورتی حاصل کرلی چاہئے۔" ڈاکٹر شازیہ نے محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ مجھے ان کا ایڈریس بتاسکتے ہیں؟"

"جی ضرور۔" اتنا کہہ کر محمود نے خاور کے گھر کا ایڈریس شازیہ کو لکھوادیا۔ ڈاکٹر شازیہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

"ویسے ڈاکٹر صاحبہ مجھے آپ کی باتوں پر یقین نہیں آرہا اس قسم کی باتیں اب کہاں؟" محمود بے یقینی کے عالم میں بولا۔

"محمود صاحب زمانہ جدید ضرور ہے لیکن آج بھی ایسی انہونی باتیں ہیں جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی، میں پروجیکٹ سائٹ پر بہت کچھ دیکھ رہی ہوں وہاں ایک مزدور کو سانپ نے کاٹا لیکن اس کا زخم دیکھ کر خوف آتا تھا کیونکہ اس مزدور کا زخم بالکل بھی سانپ کے کاٹے جیسا نہیں تھا اور پھر ایک حیران کن بات ہوئی وہ زخم پھٹا اور اس میں سے کالے رنگ کا کیڑا نکلا، یہ دیکھ کر سب لوگ خوفزدہ ہوگئے دوسرے دن تک اس مزدور کا جسم نیلا پڑنے لگا اور شام تک وہ اس دنیا سے چل بسا...... آپ خود سوچئے آپ کی بیوی کی حیران کن موت کس وجہ سے ہوئی؟ کوئی بھی یہ سمجھ نہ سکا، آپ کی بیوی کے سر سے اتنا خون نکلا۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔

"پپ...... پپ...... پاپا لگتا ہے ڈاکٹر صاحبہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ایک طرف بیٹھا ذیشان یکدم بولا۔ "کیا مطلب؟" ذیشان کی اس بات پر محمود چونکا۔

"پاپا وہ مورتی ہر وقت میری جیب میں رہتی تھی اس دن بھی جب میں پتنگ بازی کررہا تھا تو پتنگ اڑاتے اڑاتے میں جب چھت کی منڈیر کے قریب پہنچا تو مجھے یکدم ہوش آگیا اور میں رک گیا پھر کسی نے زوردار انداز میں مجھے پیچھے سے دھکا دیا، گرتے گرتے میں یکدم گھوما لیکن چھت پر کوئی نہیں تھا...... ذیشان نے بتایا۔"

"محمود صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ...... میرے پاس زیادہ وقت نہیں اس لئے میں اب چلتی ہوں۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا تو محمود نے اثبات میں سر ہلادیا اور شازیہ محمود کے گھر سے باہر نکل آئی۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھی تقریباً دو ڈھائی گھنٹے کے سفر کے بعد شہر میں داخل ہوئی اس نے گاڑی محمود کے بتائے ہوئے ایڈریس پر ڈال دی سڑک کے بائیں طرف بنے فٹ پاتھ پر ایک چھوٹا سا بچہ اسکول کی وردی اور اسکول بیگ لئے چلا جارہا تھا ڈاکٹر شازیہ نے گاڑی اس کے قریب جاکر روک دی گاڑی اپنے قریب

رکتے دیکھ کر وہ بچہ بھی رک گیا ڈاکٹر شازیہ نے ساتھ والی سیٹ کا شیشہ ڈاؤن کیا...... "بیٹا بلاک بی کس طرف ہے؟" ڈاکٹر شازیہ نے پوچھا۔

"بلاک بی" اس بچے نے حیرانگی سے لفظ دہرایا

"پتہ نہیں۔"

ڈاکٹر شازیہ مسکرائی...... "تھینکس" ڈاکٹر شازیہ نے کہا اور گاڑی کا شیشہ اوپر کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی اس نے تھوڑی دور ہی الی آلو بخارے کی ریڑھی کے پاس اپنی گاڑی روکی۔ "بھائی صاحب یہ بلاک بی کس طرف ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے پوچھا۔ آگے جا کر بائیں طرف۔ ریڑھی والے نے بتایا۔

"اچانک ڈاکٹر شازیہ کی نظر بائیں طرف لگے سائیڈ شیشے پر پڑی اس نے دیکھا جس چھوٹے بچے سے اس نے بلاک بی کا پوچھا تھا اس بچے کے پاس نیلے رنگ کی ایک کار آ کر رکی گاڑی میں سے ایک شخص باہر نکلا اس آدمی نے اس بچے کے منہ پر ہاتھ رکھا اور تیزی سے گاڑی میں بیٹھ گیا یہ کڈنیپنگ اتنی تیزی سے ہوئی تھی کہ اگر شازیہ کی نظر اچانک سائیڈ شیشے پر نہ پڑتی تو شاید کسی کو بھی پتہ نہ چلتا وہ گاڑی اس کے پاس سے گزر گئی ڈاکٹر شازیہ نے اپنی گاڑی اس نیلے رنگ کی گاڑی کے پیچھے لگا دی اب وہ اپنا پہلا مقصد بھول گئی تھی نیلے رنگ کی گاڑی اب شہری حدود سے باہر آ گئی تھی، ڈاکٹر شازیہ اپنی گاڑی بھی اس نیلے رنگ کی کار سے آگے لے آتی اور کبھی پیچھے تاکہ نیلے رنگ کی گاڑی میں موجود افراد کو شک نہ ہو کہ ان کی گاڑی کا تعاقب کیا جا رہا ہے جلد ہی وہ نیلے رنگ کی کار سڑک کنارے بنے اینٹوں کے مکان کے پاس رکی ڈاکٹر شازیہ نے کار کی رفتار آہستہ کی اس نے دیکھا کار سے یکے بعد دیگرے تین آدمی باہر نکلے بچہ ایک آدمی کی بانہوں میں جھول رہا تھا۔ ڈاکٹر شازیہ نے گاڑی کافی پیچھے روک لی اور بونٹ کا بٹن اوپر کھینچا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی ڈاکٹر شازیہ نے بونٹ اوپر کیا اور گھوم کر اس مکان کی طرف دیکھنے لگی تھوڑی دیر بعد دو آدمی اس مکان سے باہر نکلے اور اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے اب ڈاکٹر شازیہ نے اپنا سارا دھیان انجن کی طرف لگا دیا وہ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ گاڑی میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔

وہ نیلی کار دوبارہ اس کے پاس سے گزر گئی ڈاکٹر شازیہ بونٹ نیچے گرایا اور دیکھا وہ کار اب نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی ڈاکٹر شازیہ نے اپنی کار لاک کی اور اس مکان کی طرف بڑھی وہ جانتی تھی کہ اندر کم از کم ایک آدمی تو موجود تھا یا شاید پہلے سے اس مکان میں کئی آدمی موجود تھے رسک تو لے لینا ہی تھا وہ اس مکان کے دروازے کے قریب آئی اس نے دیکھا دروازہ تھوڑا کھلا ہوا تھا۔

ڈاکٹر شازیہ نے اللہ کا نام لیا اور آہستہ سے دروازہ کھولا دروازہ آواز پیدا کیے بغیر کھل گیا دروازے سے ایک چھوٹا سا صحن شروع ہوتا تھا اس کے بعد ایک کمرہ...... صحن میں ایک طرف لوہے کی ایک موٹی سلاخ پڑی ہوئی تھی ڈاکٹر شازیہ ہلکے ہلکے قدموں سے اس سلاخ کی طرف بڑھی اس نے ہولے سے وہ سلاخ اٹھائی اور کمرے میں داخل ہو گئی اس نے دیکھا وہی آدمی جس نے بچے کو اٹھایا تھا منہ دوسری طرف کیے ہوئے بیٹھا تھا اس آدمی کے سامنے ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ بند تھا۔

ڈاکٹر شازیہ اتنی احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی کہ اندر بیٹھے اس آدمی کو بھی پتہ نہ چلا قریب پہنچ کر ڈاکٹر شازیہ نے زور سے سلاخ اس آدمی کے سر پر دے ماری، اس آدمی کے منہ سے زوردار چیخ نکلی اور وہ زمین پر جا گرا سلاخ کی ضرب اتنی زوردار تھی کہ پہلے وار میں ہی وہ آدمی بے ہوش ہو گیا اور خون کی ایک لکیر اس کے سر سے ہوتی ہوئی گال پر پھیل گئی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور اس کمرے کی کنڈی گرا کر دروازہ کھول دیا اندر موجود بچہ دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا وہ ڈاکٹر شازیہ کو دیکھ کر چونکا ڈاکٹر شازیہ اس کی حیرت کا سبب سمجھ گئی تھی۔ "چلو بیٹا جلدی کرو ہمیں یہاں سے جلدی نکلنا ہے۔" ڈاکٹر شازیہ تیز لہجے میں بولی مگر وہ بچہ حیرت کا مجسمہ بنے ہوئے ڈاکٹر شازیہ کو دیکھ رہا تھا۔

"بیٹا جلدی کرو اگر باقی لوگ آ گئے تو ہم کسی مصیبت میں بھی گرفتار ہو سکتے ہیں۔" ڈاکٹر شازیہ نے آگے بڑھ کر اس بچے کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا تو وہ لڑکا چونکا اور پھر جیسے اسے یکدم ہوش آ گیا ہو۔



وہ دونوں تیزی سے کمرے سے باہر نکلے وہ آدمی جو کو زمین پر بے ہوش پڑا ہوا تھا وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس گھر سے باہر نکل آئے دونوں کار میں بیٹھے ڈاکٹر شازیہ نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ "آپ کون ہیں؟" حمزہ نے پوچھا۔

"میں ڈاکٹر شازیہ ہوں۔" ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے ڈاکٹر صاحبہ صبح مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی۔" حمزہ نے ڈاکٹر شازیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"غلطی کیسی غلطی؟" ڈاکٹر شازیہ مسکرائی۔

"آپ نے جب مجھ سے بلاک بی کا پوچھا تھا تو مجھے سمجھ نہیں آئی لیکن بعد میں مجھے یاد آیا کہ میں تو بلاک بی میں ہی رہتا ہوں۔" حمزہ نے بتایا۔ "اچھا" ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے لفظ "اچھا" کو لمبا کیا۔ "جی ہاں" جواباً حمزہ مسکرایا۔ "تو تم خاور بیگ کو بھی جانتے ہو گے۔" ڈاکٹر شازیہ نے پوچھا۔

"جی ہاں...... بہت اچھی طرح وہ میرے پاپا ہیں۔" حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اوہ" حیرانگی کے باعث ڈاکٹر شازیہ کے منہ سے نکلا۔

"ویسے آپ کو ان سے کیا کام" حمزہ کے لہجے میں حیرانگی شامل تھی۔

"اس کا مطلب سیدا ودکی بات صحیح ہے، وہ مورتی واقعی مصیبتوں کی جڑ ہے۔" ڈاکٹر شازیہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"جی کیا کہا آپ نے۔" حمزہ کو شاید سنائی نہیں دیا تھا۔"

"اچھا بیٹا یہ بتاؤ کہ تمہارے گھر میں کسی قسم کی مورتی موجود ہے۔"

مورتی...... "حمزہ کے منہ سے نکلا...... نہیں۔"

"ذیشان تو کہہ رہا تھا کہ اس کے پاس ایک مورتی تھی جب وہ تمہارے گھر میں آیا تھا تو وہ کہیں گم ہو گئی تھی۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔

"تو آپ ذیشان کو بھی جانتی ہیں۔" حمزہ حیرانگی سے بولا۔ "ہاں جانتی ہوں میں ان سے مل کر آئی ہوں ان کے گاؤں میں۔" ڈاکٹر شازیہ نے بتایا...... "لیکن وہ تو ابھی ہمارے گھر میں ہے" حمزہ نے کہا۔

"آج صبح اس کے پاپا اسے لے کر گاؤں چلے گئے۔ اچھا بیٹا اب یہ بتاؤ کہ تمہارے گھر چلیں یا محمود انکل کے گھر۔" ڈاکٹر شازیہ نے پوچھا۔ "میرے گھر اس میں پوچھنے والی کون سی بات ہے" حمزہ نے کہا۔

"وہ اس لئے کہ بیٹا جن لوگوں نے تمہیں کڈنیپ کیا تھا وہ تمہیں نہ پا کر تمہارے گھر نہ آ جائیں اگر ان کا مقصد صرف تمہیں کڈنیپ کرنا ہے تو وہ دوبارہ یہ حرکت کریں گے اسی لئے بہتر یہی ہے کہ تمہارے محمود انکل کے گھر جایا جائے جہاں تک مورتی کا سوال ہے تو شاید اس کے بارے میں ممی پاپا جانتے ہوں۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے ہم پھر محمود انکل کے گھر ہی چلتے ہیں ممی پاپا کو ہم وہاں جا کر ہم انفارم کر دیں گے۔" حمزہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر شازیہ نے گاڑی اب پھلواری گاؤں جانے والے راستے پر ڈال لی وہ گاؤں پہنچے تو اندھیرے نے ہر طرف اپنا بسیرا کر لیا تھا۔ وہ محمود کے گھر پہنچے، محمود ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر شازیہ کو اپنے گھر میں کھڑا دیکھ کر حیران ہوا اور حمزہ کو دیکھ کر خوش...... ذیشان بھی حمزہ کو دیکھ کر خوش ہوا "تم سے شکایت ہے تم مجھ سے ملے بغیر ہی آ گئے۔" حمزہ مصنوعی غصے سے منہ بناتے ہوئے بولا۔

"بس یار پاپا لے آئے چلو ویسے آج ہی تم سے ملاقات ہو ہی گئی ہے نا اس میں اب کوئی ناراضگی والی بات تو رہی نہیں۔" ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا تو حمزہ بھی مسکرا دیا محمود اور ڈاکٹر شازیہ بچوں سے پرے ایک سائیڈ پر بیٹھ گئے۔ "ڈاکٹر صاحبہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا...... حمزہ آپ کے ساتھ۔" محمود الجھن آمیز لہجے میں بولا جواباً ڈاکٹر شازیہ نے ساری بات محمود کو بتا دی۔ محمود حیرانگی کے ساتھ ڈاکٹر شازیہ کا منہ تکنے لگا۔ "اسی وجہ سے محمود صاحب میں حمزہ کو یہیں لے آئی تاکہ اسے وہاں کوئی خطرہ نہ ہو۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔ "یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا ڈاکٹر صاحبہ" محمود

مسکراتے ہوئے بولا۔
"اب مجھے دوبارہ نکلنا ہوگا۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔ "کیوں؟" محمود حیران ہوا۔
"مجھے جلد از جلد وہ مورتی حاصل کرنی ہے ایسا نہ ہو آپ کے دوست کسی مشکل میں پڑ جائیں۔" ڈاکٹر شازیہ نے خدشہ ظاہر کیا۔
"مشکل میں..... ڈاکٹر صاحبہ آپ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہیں پھر بھی آپ ایسی باتوں پر یقین رکھتی ہیں۔" محمود منہ بناتے ہوئے بولا۔
"محمود صاحب اس میں پڑھا لکھا یا سمجھدار ہونا ضروری نہیں آپ کے لئے آپ کی بیوی کی مثال ہی کافی ہے لیکن آپ ہیں کہ ان باتوں کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔" ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

خاور نے کلاک کی طرف دیکھا رات کے دس بج رہے تھے وہ سارا دن انہوں نے بے چینی اور پریشانی کے عالم میں گزارہ تھا ابھی انہوں نے کسی سے بھی اس بات کا ذکر کیا تھا نہ ہی اپنے قریبی دوست محمود سے۔ "خاور آپ کو پولیس کو خبر کر دینی چاہئے کہیں وہ ہمارے بیٹے کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔" مائرہ روتے ہوئے بولی۔
"مم..... مائرہ اگر پولیس کو بتا دیا تو وہ ضرور نقصان پہنچائیں گے۔" خاور نے مائرہ کو سمجھایا۔ "میں اسکے فون کے انتظار میں ہوں۔"
خاور نے اسے دلاسہ دیا لیکن مائرہ صرف روئے جا رہی تھی، اسی وقت گیراج میں کھڑی گاڑی کا سیکورٹی الارم یکدم چیخ اٹھا دونوں حیرانگی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ "یہ گاڑی کا کمبخت الارم بھی۔" خاور نے غصے سے کہا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھا خاور گیراج میں آیا تو حیران رہ گیا ڈر اور خوف کی ملی جلی لہروں نے یکدم اسکے جسم میں بسیرا کر لیا اور وہ ہکا بکا سامنے دیکھنے لگ گیا، سامنے دو نقاب پوش ہاتھوں میں ریوالور پکڑے حیرانگی سے چیختی ہوئی گاڑی کو گھور رہے تھے ان میں سے ایک کی نظر اچانک خاور پر پڑی۔ "بند کرو یہ" وہ خاور کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔
ریوالور کا رخ اس نے اب خاور کی طرف کر دیا تھا خاور نے جیب سے گاڑی کا ریموٹ نکالا اور الارم بند کر دیا۔ "یہ کیسی گاڑی ہے ہم تو اس کی طرف بڑھے بھی نہیں اور یہ خود ہی چیخنے لگی..... دوسرا نقاب پوش غصے سے بولا۔
"اس..... اس کا الارم..... خراب ہوگیا ہے پر..... پر آپ کون لوگ ہیں؟" خاور نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔
"ہم..... ہم تمہارے مہمان ہیں..... اندر چلو مگر خاموشی کے ساتھ۔" پہلے نقاب پوش نے ہنستے ہوئے کہا اور خاور کے قریب آ گیا خاور گھوما اور اندرونی حصے کی طرف بڑھا وہ تینوں اندر داخل ہوئے تو مائرہ دو نقاب پوشوں کو ریوالور سمیت دیکھ کر چیخنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ پہلے نقاب پوش نے جلدی سے خاور کی کنپٹی پر ریوالور رکھا۔ "اب آپ کے شوہر کی بھلائی اسی میں ہے کہ آپ نہ چیخیں۔" نقاب پوش سخت لہجے میں بولا۔
"کک..... کک..... کون ہو تم لوگ؟ مائرہ نے بھی وہی سوال پوچھا جو تھوڑی دیر پہلے خاور نے پوچھا تھا۔ خاور سامنے آ کر بیٹھ گیا۔
"ہاں تو خاور بیگ ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے، ہمیں بس ایک چھوٹی سی چیز چاہئے ہم وہ لے کر چلے جائیں گے۔" پہلے نقاب پوش نے کہا۔
"اگر تم ہمیں وہ چیز دے دو گے تو ہم تمہارے بیٹے کو بھی چھوڑ دیں گے۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔
"وہ کیا چیز ہے؟ خاور نے پوچھا اس کے لہجے میں بے چینی موجود تھی۔
"مورتی" پہلے نقاب پوش نے کہا۔
"مورتی" حیرانگی کے باعث خاور مائرہ کے منہ سے نکلا "ہاں مورتی" دوسرے نقاب پوش نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"کون سی مورتی۔" خاور نے پوچھا۔
"وہی مورتی جو پہلے پھلواری گاؤں میں تھی اور اب تمہارے گھر میں ہے۔" دوسرے نقاب پوش نے کہا۔ "میرے گھر میں..... میں تو" خاور کہتے کہتے یکدم رکا۔ "کیا ہوا خاور؟" خاور کو یکدم چپ ہوتے دیکھ کر مائرہ حیرانگی سے بولی، دونوں نقاب پوش بھی خاور کی طرف متوجہ ہوگئے۔ میں نے ایک چھوٹی سی مورتی ذیشان کے پاس دیکھی تو تھی۔ خاور نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا ..... میرے خیال میں وہ ذیشان کے پاس ہی ہوگی۔
"نہیں نہیں وہ اس وقت تمہارے گھر میں موجود ہے۔" دونوں نقاب پوش بیک زبان ہو کر تیز لہجے میں بولے مائرہ نے حیرانگی سے دونوں کی طرف دیکھا۔
"یہ تم دونوں کیسے کہہ سکتے ہو..... خاور نے پوچھا۔
"اس بات کو تم چھوڑو وہ مورتی تمہارے گھر میں ہی ہے یہ سو فیصد پکی بات ہے۔" پہلے نقاب پوش نے مضبوط لہجے میں کہا۔
"لیکن ہمیں تو اپنے گھر میں ایسی کوئی چیز (مورتی) نظر نہیں آئی۔" خاور نے کندھے اچکائے۔ "نہیں مورتی تو اس گھر میں ہے یہ بات تو پکی ہے" نقاب پوش مضبوط لہجے میں بولا۔
"اب آپ دونوں حضرات چپ چاپ یہاں بیٹھ جائیں ہم مورتی خود ہی ڈھونڈ لیں گے۔ تم یہیں ٹھہر ان پر نظر رکھو میں مورتی ڈھونڈتا ہوں۔" پہلے نقاب پوش کو دوسرے نقاب پوش نے تاکید کی۔
"ٹھیک ہے استاد آپ اپنا کام کریں اس طرف سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی۔" پہلا نقاب پوش شوخ لہجے میں بولا۔
دوسرے نقاب پوش نے جیب سے ایک کالے رنگ کا آلہ نکالا اور اس پر لگے ایک بٹن کو دبا دیا اس آلے پر لگے سرخ رنگ کی لائٹ روشن ہوگئی۔ استاد اس آلے کو لے کر کچن کی طرف بڑھا اور کافی دیر کچن میں موجود چیزوں کو چیک کرتا ہوا وہ کچن سے باہر نکلا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا تقریباً ایک گھنٹے میں وہ اندرونی حصے کو چیک کر چکا تھا پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔
"ذرا چوکس رہنا۔" استاد نے رکتے ہوئے کہا۔ "آپ بے فکر رہیئے استاد۔" پہلے نقاب پوش نے کہا دوسرے نقاب پوش نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔
"اگر تم لوگوں کو وہ مورتی مل گئی ...... تو تم ہمارے حمزہ کو چھوڑ دو گے ناں۔" مائرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"بالکل میڈم ہم نے کون سا آپ کے بیٹے کا اچار ڈالنا ہے..... پہلے نقاب پوش نے ہنستے ہوئے کہا۔
اس وقت گیراج میں موجود استاد کی دلخراش چیخ گونجی تو وہ تینوں چونکے اور تیزی سے گیراج میں پہنچے تو سامنے کا منظر دیکھ کر تینوں ہکا بکا رہ گئے۔ مائرہ کے منہ سے تو ایک زوردار چیخ نکل پڑی سامنے استاد کمر کے بل نیچے پڑا ہوا تھا اور اس کا پیٹ چاک تھا اور پیٹ کا سارا اندرونی حصہ باہر پڑا ہوا تھا۔
"استاد" کہہ کر پہلا نقاب پوش لرزتی ہوئی ٹانگوں سے استاد کی طرف بڑھا مگر استاد تک پہنچنے سے پہلے ہی گر پڑا اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن بے سود..... اچانک پہلے نقاب پوش کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور پھر تو اس کے منہ سے چیخوں کا طوفان سا نکل پڑا اس نے چیختے ہوئے اپنا نقاب اتارا اور قمیض بھی اتار دی یہ دیکھ کر مائرہ تو دھڑام سے نیچے جا گری اور بے ہوش ہوگئی جب کہ خوف کے باعث خاور کا پورا جسم تھر تھر کانپنے لگا اس کے پورے جسم پر چھوٹے چھوٹے سوراخ بن چکے تھے جن سے خون نکلنا شروع ہو گیا تھا، جلد ہی وہ بھی استاد کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔
اچانک خاور کا سر بھی چکرایا اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔
دوسرے دن دو حیران کن اور اتنی خوفناک لاشوں کو دیکھ کر سارا شہر خوفزدہ تھا اخباری رپورٹرز اور پولیس کا محکمہ وہاں آن دھمکا تھا انسپکٹر جمال ان لاشوں کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا لاشوں کو اٹھوانے فنگر پرنٹس کے نشانات اور اخباری رپورٹرز کو فارغ کرنے کے بعد وہ مائرہ اور خاور کے سامنے آ کر بیٹھ گیا وہ دونوں بہت خوفزدہ نظر آ رہے تھے، انسپکٹر جمال کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی شاید اس کے سر پر چوٹ لگی ہوئی تھی۔ "ہاں تو خاور صاحب یہ کیا معاملہ ہے؟" انسپکٹر نے

خاور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اصل معاملہ کیا ہے۔"

"انسپکٹر صاحب، معاملہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"دیکھئے خاور صاحب اگر آپ کو جھوٹ بولنا نہیں آتا تو مت بولئے اگر آپ سچ بول رہے ہوتے تو مجھ سے نظریں کیوں چراتے ...... دیکھئے خاور صاحب یہ جو اتنی خوفناک لاشیں یہاں پڑیں تھیں وہ کسی انسان کا کام نہیں بلکہ کسی حیوان یا دوسری مخلوق کا کام لگتا ہے اور آپ کا بیٹا بھی کہیں نظر نہیں آرہا آپ کی بیوی کی تڑپ دیکھ کر میں سمجھ چکا ہوں وہ ضرور کسی مشکل میں ہے یا کسی نے اس کو کڈنیپ کیا ہے۔" انسپکٹر جمال نے اپنے خدشات ظاہر کئے۔

"انسپکٹر صاحب میرے حمزہ کو کسی نے کڈنیپ کیا ہے۔ آپ کو اللہ کا واسطہ اسے چھڑا لائیے۔ مائرہ تڑپتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولی۔"

"پتہ نہیں انسپکٹر صاحب وہ کون ظالم لوگ ہیں جنہوں نے میرے جگر کے ٹکڑے کو کڈنیپ کرلیا ہے اس کڈنیپر کا ہمیں فون بھی آیا وہ کچھ مانگنا چاہتا تھا پر پھر اس نے فون بند کردیا وہ سارا دن ہم نے اضطراب اور پریشانی میں گزارا تقریباً رات کے دس گیارہ بجے کا وقت تھا جب گیراج میں کھڑی گاڑی کا سیکورٹی الارم بج اٹھا میں گیراج میں آیا تو میں نے دیکھا دو نقاب پوش ہاتھوں میں ریوالور لئے ہوئے چیختی گاڑی کو گھور رہے تھے مجھے دیکھ کر وہ میری طرف آئے اور مجھے اندر لے آئے پھر انہوں نے مجھ سے ایک موتی مانگی۔" خاور بتا رہا تھا کہ انسپکٹر جمال نے اسے ٹوکا۔

"موتی ...... کیسی موتی؟"

وہ ایک چھوٹی سی موتی ہے جو کھلونے جیسی لگتی ہے میں نے اپنے دوست محمود کے بیٹے ذیشان کے پاس دیکھی تھی میں نے ان نقاب پوشوں کو بھی بتایا مگر وہ دونوں اس بات پر بضد تھے کہ موتی یہیں ہے پھر اس نے جیب سے کالے رنگ کا ایک آلہ نکالا ...... جو آپ نے ضبط کرلیا ہے۔" خاور نے بتاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں وہ ایک طرح کا ٹریکٹر ہے جس کا دوسرا حصہ کسی بھی چیز پر لگادیں تو اس چیز کے قریب ہونے پر اس ٹریکٹر پر لگی لائٹ روشن ہوجائے گی اس موتی پر یقیناً کوئی مائیکرو چپ یا بٹن لگا ہوگا جس کی وجہ سے یہ ٹریکٹر موتی کی موجودگی کو یہیں ظاہر کررہا ہوگا۔" انسپکٹر جمال نے بتایا۔ "پھر کیا ہوا خاور صاحب؟"

"پھر ...... پھر وہ اس ٹریکٹر کے ذریعے ہمارے گھر کی اچھی طرح تلاشی لینے لگے ان میں سے ایک گیراج میں گیا اور دوسرا ہم دونوں کے پاس آ گیا ہمیں چیخ کی آواز سنائی دی تو ہم تینوں گیراج میں آئے ہم نے گیراج میں ایک خوفناک منظر دیکھا دوسرا نقاب پوش فرش پر پڑا ہوا تھا اور اس کا پیٹ چاک تھا وہ مرچکا تھا اس کی ایسی حالت دیکھ کر ہم دونوں میاں بیوی کی حالت غیر ہوگئی اس کے دوسرے ساتھی کی حالت بھی غیر تھی وہ کانپتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ اپنے دوسرے ساتھی کی طرف بڑھا لیکن وہ اچانک ہی گر پڑا پھر ہم نے اس کی تیز اور خوفناک چیخیں سنیں اس نے اپنا نقاب اتارا اور پھر اپنی قمیض بھی اتار دی اس کے پورے جسم پر چھوٹے چھوٹے سوراخ بن چکے تھے اور پھر وہ بھی اپنے دوسرے ساتھی کی طرح ٹھنڈا ہوگیا۔" اتنا کہہ کر خاور خاموش ہوگیا اور انسپکٹر جمال کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں ...... یہ تو آپ نے بڑے خوفناک باتیں بتائیں خاور صاحب۔" انسپکٹر جمال حیرانگی کے عالم میں بولا۔

انسپکٹر جمال نے جیب سے وہی کالے رنگ کا آلہ نکالا اور اس پر لگے بٹن کو آن کیا آلے پر لگے دو بلبوں میں سے لال رنگ کا بلب جل اٹھا انسپکٹر جمال گیراج میں آیا۔ خاور اور مائرہ بھی اس کے پیچھے پیچھے گیراج میں آ گئے۔ انسپکٹر جمال گیراج میں کھڑی گاڑی کے قریب آیا تو آلے پر لگا دوسرا بلب بھی روشن ہوگیا جو جلنے بجھنے لگا وہ ہرے رنگ کا تھا۔ "اس کا مطلب ہے اس گاڑی میں ضرور کچھ ہے تبھی تو یہ بلب جلنے بجھنے لگا ہے۔" انسپکٹر جمال نے کہا اور گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا اور اندر چیک کرنے لگا پھر مایوس ہوکر اس نے پچھلے حصے کا دروازہ کھولا اور آلے پر لگا ہرے رنگ کا بلب بدستور جلنے لگا گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ کے نیچے وہ موتی پڑی ہوئی تھی، انسپکٹر جمال نے ہاتھ بڑھا کر وہ موتی اٹھالی۔



"بالکل یہی موتی ہے انسپکٹر صاحب جو ذیشان کے پاس میں نے دیکھی تھی۔" خاور تیز لہجے میں بولا۔

"تو پھر ذیشان سے ہی معلوم ہوگا کہ اسے یہ موتی ملی کہاں سے؟" انسپکٹر جمال خاور سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "اس موتی میں ضرور کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ ہے جو اتنے لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے انسپکٹر صاحب میں محمود کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم آرہے ہیں۔" خاور نے کہا تو انسپکٹر جمال نے اثبات میں سر ہلایا خاور اندر آیا اور ایک طرف پڑے فون کا ریسور اٹھا کر محمود کے نمبر ڈائل کرنے لگا جلد ہی اس کے کانوں میں "ہیلو" کی آواز پڑی تو وہ اچھلا جیسے اسے 440 وولٹ کا جھٹکا لگا ہو وہ یہ آواز ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ "حم ...... حم ...... زہ ...... تت ...... تم۔" بکھرے ہوئے الفاظ خاور کے منہ سے نکلے۔ "پپ ...... پاپا ...... آپ ......" حمزہ چہکتے ہوئے بولا۔ "حمزہ بیٹا تم ٹھیک تو ہو۔" خاور کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"ہیلو" خاور یہ تم۔" محمود کی آواز خاور کے کانوں میں پڑی تو وہ چونکا وہ شاید خوابوں کی دنیا سے باہر آ گیا تھا بیٹے کی جدائی نے اسے اتنا نڈھال کردیا تھا کہ محمود کی آواز بھی اسے حمزہ کی لگی تھی۔

"کیا ہوا خاور تم بول کیوں نہیں رہے۔" محمود کی پریشان کن آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ "کک ...... کچھ نہیں۔" خاور کو جیسے ہوش آ گیا تھا۔ "خاور تم کسی سے بھی اس بات کا ذکر مت کرنا۔" محمود نے کہا تو خاور نے حیرانگی سے کہا۔ "کس بات کا؟"

"یہی کہ ہمارے ہاں حمزہ موجود ہے ورنہ وہ لوگ دوبارہ اسے کڈنیپ کرلیں گے۔" محمود رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"ہم تمہاری طرف ہی آرہے ہیں انسپکٹر جمال بھی ہمارے ساتھ آرہا ہے۔" خاور نے بتایا۔

"انسپکٹر جمال ...... وہ کیوں؟" محمود کے لہجے میں حیرانگی واضح تھی۔

"یہ ذرا لمبی بات ہے تمہیں وہیں آکر بتاؤں گا۔ صرف اتنا جان لو کہ یہ سارا کھیل ایک موتی کا ہے۔" خاور نے بتایا۔

"مم موتی ...... تو اس کا مطلب ہے موتی واقعی تمہارے پاس ہے۔" محمود نے کہا۔

"تم بھی موتی کے بارے میں لیکن تمہیں کس نے یہ بتایا کہ موتی میرے پاس ہے۔" خاور نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر شازیہ نے ......" محمود نے بتایا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد یہ چھوٹا سا قافلہ پھلواری گاؤں کی طرف بڑھا انسپکٹر جمال اور ایک کانسٹیبل سرکاری جیپ میں جبکہ خاور اور مائرہ اپنی کار میں جارہے تھے۔ موتی انسپکٹر جمال کی جیب میں تھی خاور نے مائرہ کو حمزہ کے بارے میں بتادیا تھا اور وہ بھی بہت خوش تھی۔ "سر یہ جادو ٹونہ اس جدید دور میں بھی ہے۔" انسپکٹر کے ساتھ بیٹھا کانسٹیبل بولا۔ "ہاں بات تو یہ واقعی سچی ہے عقل دنگ رہ جاتی ہے اب ان دو لاشوں کو ہی لے لو اتنی بھیانک لاشیں میں نے زندگی میں نہیں دیکھیں جب میں نے وہ لاشیں دیکھیں تو خوف میرے جسم میں سرایت کرگیا۔" انسپکٹر جمال خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "مجھے امید ہے منیر یہ موتی ہزاروں راز ظاہر کرے گی اس موتی کے طلبگار بھی ہیں جو خود تو نقاب کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں اور اس موتی کو حاصل کرنے کے لئے کرائے کے ٹٹوؤں کو بھیجتے ہیں۔"

اچانک انسپکٹر جمال کی جیپ میں ایک عجیب سی ہلچل پیدا ہوئی انسپکٹر جمال چونکا اسی وقت ایک حیران کن بات ہوئی انسپکٹر جمال کے پاؤں کا دباؤ اسپیڈ پر بڑھنے لگا۔ "سس ...... سر آپ اسپیڈ کیوں بڑھا رہے ہیں۔" کانسٹیبل گھبراتے ہوئے بولا۔

"نن ...... نہیں منیر یہ میں تو نہیں بڑھا رہا۔" انسپکٹر جمال اپنے پاؤں کو روکتے ہوئے بولا مگر اس کا پاؤں اسپیڈ پر مزید دباؤ ڈال رہا تھا کوئی نادیدہ قوت تھی جو ایسا کررہی تھی اچانک سامنے سے ایک ہیوی لوڈ ٹرک آتا دکھائی دیا انسپکٹر جمال نے اسٹیرنگ گھمانا چاہا مگر اسٹیرنگ نہیں گھوما وہ جیسے جام ہوگیا تھا انسپکٹر جمال نے بازوؤں کی ساری قوت اسٹیرنگ گھمانے پر لگادی مگر

ضدی اسٹیئرنگ اپنی جگہ جما رہا۔

"س...... س...... سر یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ جیپ ٹرک سے ٹکرا جائے گی۔" منیر کے لہجے میں غصہ اور گھبراہٹ دونوں چیزیں شامل تھیں۔ ٹرک کے قریب پہنچنے پر موت کے احساس نے دونوں کو آنکھیں بند کرنے پر مجبور کردیا۔ اسی وقت دونوں کے کانوں میں ٹائیروں کے چیخنے کی آواز پڑی دونوں نے آنکھیں کھولیں تو حیران رہ گئے کیونکہ سامنے کوئی بھی ٹرک نہیں تھا۔ انسپکٹر جمال نے گھوم کر دیکھا تو ٹرک انہیں کراس کرکے پیچھے جارہا تھا یعنی ٹرک کے قریب پہنچنے پر ٹرک نے از خود کراس لے لیا تھا اور وہ دونوں موت کی منہ میں جانے سے بچ گئے تھے مگر شاید موت سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اچانک ایک دھماکہ ہوا اور جیپ قلابازیاں کھاتی ہوئی جھاڑیوں میں جاگری اس کے آگے کا ٹائر یکدم بلاسٹ ہوگیا تھا اور اتنی اسپیڈ میں جیپ کا قلابازیاں کھانا لازمی ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

"یہ لوگ ابھی تک آئے کیوں نہیں۔" محمود فکر مند ہوتے ہوئے بولا۔ "انہیں تو اب تک آجانا چاہئے تھا زیادہ سے زیادہ تین چار گھنٹے لگنے تھے مگر اب تو آٹھ گھنٹے ہوچلے ہیں۔"

"فکر نہ کریں محمود صاحب بس آتے ہی ہوں گے۔" ڈاکٹر نے محمود کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "نجانے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔" محمود نے اپنے دل کی کیفیت بیان کی۔ "یہ تو آپ نے بجا فرمایا...... مورتی ان لوگوں کے پاس ہے گھبرانا تو فطری بات ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔

"ڈاکٹر شازیہ وہ بے جان مورتی کسی کو کیا نفع نقصان دے سکتی ہے۔" محمود بے زار لہجے میں بولا۔ "محمود صاحب یہ تو اس مورتی کا راز جاننے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ آخر کیا خاص بات ہے اس مورتی ہیں۔" جہاں تک میرا اندازہ ہے محمود صاحب آپ کے دوست خاور بیگ کے ساتھ بھی کوئی عجیب وغریب واقعہ رونما ہوا ہوگا تبھی تو انہوں نے مورتی کا ذکر کیا تھا۔" ڈاکٹر شازیہ نے بتاتے ہوئے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ تو ان کے آنے پر ہی معلوم ہوگا۔" محمود نے کہا۔

سوئی کے کانٹے تیزی سے شام کے وقت کی طرف بڑھ رہے تھے وہ چاروں پہنچے تو انسپکٹر جمال اور مائرہ کی حالت دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ انسپکٹر جمال اور منیر کے سر پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور چہرے پر چھوٹی موٹی خراشیں موجود تھیں۔ "یہ کیا...... اور اتنی دیر کیوں لگادی؟" محمود نے پوچھا۔

دراصل انسپکٹر جمال کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اسی وجہ سے ہم لیٹ ہوگئے یہ تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ مرنے سے بچ گئے ورنہ جس طرح جیپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا یہ تو اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔" خاور نے کہا۔

"یہ سب کیا دھرا اس مورتی کا ہے۔" اتنا کہہ کر انسپکٹر جمال نے جیب سے مورتی نکال کر ان سب کی آنکھوں کے سامنے کردی ڈاکٹر شازیہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر مورتی پکڑی اور حیرانگی سے اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ "تو یہ ہے وہ مورتی۔" ڈاکٹر شازیہ نے بغور مورتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن لگتا نہیں یہ قاتل مورتی ہے۔"

"یہ قاتل ہے آج اگر ہم دونوں نہ بچتے تو یہ ہماری بھی قاتل بن جاتی...... جیپ اچانک میرے کنٹرول سے باہر ہوگئی تھی، میرے پیر کا دباؤ خود بخود ریس پر پڑنے لگا تھا اور جیپ فل اسپیڈ سے دوڑنے لگی، آگے سے ایک ہیوی لوڈ ٹرک آتا دیکھا تو میں نے اسٹیرنگ کو موڑنا چاہا لیکن اسٹیرنگ مکمل طور پر ساکن ہوگیا تھا اس سے پہلے کہ جیپ ٹرک سے ٹکراتی ہم دونوں نے خوف کے باعث آنکھیں بند کرلیں لیکن پھر جیپ خود بخود مڑ کر ٹرک سے ٹکرانے سے بچ گئی اور ہم بال بال بچ گئے لیکن یہ بال بال بچنا زیادہ دیر قائم نہ رہا اگلے ہی لمحے جیپ کا ٹائر بلاسٹ ہوگیا اور جیپ قلابازیاں کھاتی ہوئی جھاڑیوں میں جاگری چوٹیں تو آئیں مگر زیادہ شدید نہیں تھوڑی دیر میں وہاں لوگ جمع ہوگئے جنہوں نے ہمیں جیپ سے باہر نکالا، اتنی دیر میں خاور صاحب اور ان کی وائف بھی وہاں پہنچ گئیں یہ دونوں ہمیں قریبی ہاسپٹل میں لے گئے یہ تو چاہتے تھے کہ ہم وہاں آرام کریں لیکن میں چاہتا تھا کہ اس مورتی کی اصل کہانی کا پتہ



چلے تاکہ مزید جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں۔" انسپکٹر نے تفصیلاً ساری بات بتائی۔

"پہلے تو یہ پتہ چلے یہ ذیشان کو ملی کہاں سے؟" خاور نے کہا۔

"ابھی پوچھ لیتے ہیں۔" محمود نے کہا اور ذیشان کو آوازیں دینے لگا حمزہ سے مل کر اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے۔

"ذیشان بیٹا یہ مورتی آپ کو کہاں سے ملی تھی۔" انسپکٹر جمال نے ذیشان سے پہلا سوال کیا۔

"یہ مورتی...... یہ مجھے میرے دوست نے گفٹ کی تھی۔" ذیشان نے بتایا۔

"یہ آپ کے کس دوست نے گفٹ کی تھی۔" اس مرتبہ محمود نے پوچھا۔

"پاپا لئیق نے۔" ذیشان نے بتایا۔

"ہوں۔" محمود نے گہری سانس کھینچی۔ "اس نے کہاں سے لی تھی یہ۔" محمود نے پوچھا۔

"اس نے کہا تھا کہ اسے کھیتوں میں پڑی ملی۔" ذیشان نے بتایا۔

"صحیح بات انسپکٹر صاحب لئیق سے پتہ چلے گی۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر لئیق کے گھر چلتے ہیں۔" انسپکٹر جمال نے کہا اور پھر یہ چھوٹا سا قافلہ لئیق کے گھر کی طرف چل دیا، مائرہ گھر میں ہی ٹھہر گئی تھی وہ لئیق کے گھر پہنچے دروازہ لئیق کے والد نے کھولا تھا وہ اتنے لوگوں کو دیکھ کر حیران اور پریشان ہوگئے۔ "م...... م...... محمود صاحب آپ ہی ہو انسپکٹر صاحب۔ خیریت تو ہے۔" وہ پریشان کن لہجے میں بولا......

"ہاں جھورے خیریت ہی ہے بس لئیق سے کام ہے۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لئیق سے۔" جھورے کے منہ سے حیرانگی کے باعث نکلا۔

"گھبرانے والی بات نہیں جھورے۔ بس ایک بات پوچھنی ہے اور پھر واپس چلے جائیں گے۔" محمود نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا جھورے کے دروازے پر کھڑی پولیس دیکھ کر سب محلے والوں کی نظریں جھورے کے دروازے پر ٹکی ہوئی تھی۔ "اگر آپ کہیں تو بیٹھک میں بیٹھ جائیں۔" جھورے نے پوچھا۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" اس مرتبہ انسپکٹر جمال مسکراتے ہوئے بولا۔ وہ تینوں بیٹھک میں آکر بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد جھورے کے ساتھ لئیق اندر داخل ہوا وہ خاصا گھبرایا ہوا تھا ذیشان کو دیکھ کر وہ کھل اٹھا اور ذیشان بھی خوش ہوگیا۔ "بیٹا کیا حال ہے آپ کا؟" انسپکٹر جمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہوں انسپکٹر انکل۔" لئیق زبردستی مسکرایا انسپکٹر جمال نے جیب سے مورتی نکالی تو لئیق نے پہلے حیرانگی کے ساتھ مورتی کی طرف دیکھا اور پھر گھوم کر پیچھے بیٹھے ہوئے ذیشان کی طرف دیکھا۔ "بیٹا سوال میں نے آپ سے پوچھا ہے ذیشان سے نہیں۔" انسپکٹر جمال کے لہجے میں یکدم سختی عود کر آئی۔

"وہ...... وہ انکل مجھے یہ گھر سے ہی ملی تھی" لئیق نے کہا تو ذیشان حیران ہوا اور انسپکٹر مسکرا دیا۔

"دیکھو بیٹا جھوٹ مت بولو اب آپ نے صحیح صحیح بتانا ہے ورنہ میں آپ کو جیل میں ڈال دوں گا۔" انسپکٹر جمال کے لہجے میں سختی نے مزید اضافہ کرلیا۔

"وہ...... وہ" خوف کی وجہ سے لئیق کا رنگ فق ہوگیا۔ "دیکھو بیٹا گھبراؤ مت میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا اگر آپ سچ بولیں گے تو۔" انسپکٹر جمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ...... وہ انسپکٹر انکل میں اس دن سڑک پار کر رہا تھا کہ ایک جیپ اسپیڈ سے میری طرف بڑھی لیکن پھر وہ میرے قریب سے گزر کر درخت سے جاٹکرائی سڑک پر مجھے یہ مورتی پڑی نظر آئی میں اسے اٹھا لایا۔" لئیق نے سچ سچ بتادیا۔

"شاباش بیٹا اب آپ نے صحیح بات بتائی ہے۔" اس مرتبہ ڈاکٹر شازیہ بولی پھر وہ انسپکٹر جمال سے مخاطب ہوئی۔ "جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ داؤد تھا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا اب آپ جاسکتے ہو۔" انسپکٹر جمال نے مسکراتے ہوئے کہا وہ پانچوں جھورے کے گھر سے باہر نکل آئے۔ "تعاون کے لئے آپ کا شکریہ جھورا صاحب

سے بچے سے تھوڑی تحقیق کے لئے معافی چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمال نے دروازے کے پاس کھڑے لئیق کے والد سے کہا۔ "انسپکٹر صاحب آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی اگر پولیس اسٹیشن میں موجود ہر سپاہی کا رویہ آپ جیسا ہو جائے تو ہر غریب سکون کا سانس لے۔" جھورے نے انسپکٹر جمال کے رویہ سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن انسپکٹر جمال کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا اس کی پینٹ کی جیب میں موجود مورتی کافی گرم تھی۔ انسپکٹر جمال نے وہ مورتی جیب سے نکالی تو مورتی زمین پر جا گری وہ اتنی گرم تھی کہ انسپکٹر جمال سے پکڑی نہ گئی۔ انسپکٹر جمال نے دیکھا کانسٹیبل منیر اپنے اوپر مکمل طور پر کمبل اوڑھے لیٹا ہوا تھا انسپکٹر جمال حیران ہوا کیونکہ اتنی سخت گرمی ہونے کے باوجود منیر اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ "منیر اٹھو صبح ہوگئی ہے۔" انسپکٹر جمال نے اسے آواز دی لیکن منیر کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ "منیر جلد اٹھو ہمیں شہر جانا ہے۔" انسپکٹر جمال نے زمین پر سے مورتی اٹھاتے ہوئے کہا ساتھ ہی آگے بڑھ کر اس نے منیر پر سے چادر ہٹادی۔ انسپکٹر جمال کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی منیر کے پیٹ سے لے کر پیروں تک مکمل طور پر گوشت غائب تھا اور ہڈیوں پر خون جما ہوا تھا چیخ کی آواز سن کر وہاں محمود، خاور، ڈاکٹر شازیہ اور مائرہ آن دھمکے منیر کی ایسی حالت دیکھ کر وہ بھی چیخے بغیر نہ رہ سکے۔ "یہ کیا انسپکٹر صاحب؟" مائرہ نے بظاہر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "یہ اسی مورتی کا کام ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔

"اس مورتی کی تو میں۔" محمود نے غصے سے کہا اور آگے بڑھ کر انسپکٹر جمال کے ہاتھ سے مورتی پکڑی اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھا...... "ارے محمود صاحب یہ...... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" انسپکٹر جمال گھبراتے ہوئے بولا وہ تیزی سے محمود کے پیچھے بھاگا باقی لوگ بھی تیزی سے ان کے پیچھے چلے۔ محمود ایک طرف بنے آتش دان کی طرف بڑھا۔ "محمود صاحب ایسا مت کریں۔" انسپکٹر جمال چیخا مگر محمود نے تیزی سے وہ مورتی جلتی ہوئی آگ میں پھینک دی۔

"نہیں!!!" انسپکٹر جمال چلایا لیکن اسی وقت حیرانگی والی بات ہوئی جس نے سب کو مزید حیران کر دیا جیسے ہی وہ مورتی آگ میں گری آگ یکدم ٹھنڈی ہوگئی۔ محمود نے بار بار آگ جلائی مگر باوجود کوشش کے اس آتشدان میں آگ نہ جلی۔

انسپکٹر جمال نے آگے بڑھ کر آتشدان میں سے وہ مورتی نکال لی۔ ساتھ ہی آتشدان میں یکدم آگ بھڑک اٹھی۔

"یہ...... یہ کیا انسپکٹر صاحب۔" محمود ہکلایا۔

"محمود صاحب یہ مورتی ایسے ہی ختم نہیں ہوگی یہ جس طرح اتنی جانوں کی قاتل بنی ہے ضرور اس کا کوئی مقصد ہوگا یہ بے جان نہیں بلکہ یہ قاتل مورتی ہے آپ نے دیکھا آگ نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں کیا، اس کو کیسے ختم کیا جائے یا اس مورتی کا راز کیا ہے؟ یہ ہمیں پتہ لگانا ہے اس بات کا جواب یا تو ہمیں پروفیسر عباس دے سکتے تھے یا پھر داؤد مگر افسوس پروفیسر عباس تو اس دنیا میں رہے نہیں البتہ داؤد زندہ ہے مگر وہ بھی پاگل ہو چکا ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔

"انسپکٹر صاحب اگر اس مورتی کو ختم نہ کیا گیا تو یہ اور بے گناہ جانیں لے گی ہمیں کسی بھی طرح جلد از جلد اس مورتی کو ختم کرنا ہوگا ورنہ اس طرح تو یہ جس کے پاس بھی جائے گی اس کا گھر تباہ برباد کر دے گی۔" خاور نے انسپکٹر جمال سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"خاور صاحب یہ کوئی انسان تو ہے نہیں جسے گولی مار کر ختم کیا جا سکتا ہے باقی اسے ختم کرنے کی کوشش محمود صاحب کر ہی چکے ہیں۔" انسپکٹر جمال نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ اسی وقت انسپکٹر جمال کی جیب میں پڑا موبائل جاگ اٹھا انسپکٹر جمال نے جیب سے موبائل نکالا اور یس کا بٹن پریس کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف کی بات سن کر حیرانگی سے اسکے چہرے کی عجیب حالت ہونے لگی۔ "ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمال نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ "کیا ہوا



انسپکٹر صاحب؟" محمود نے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحبہ آپ لوگوں نے جو کل برآمد کیا تھا کیا وہاں سے ایک لاش بھی ملی تھی جو چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تھی؟" انسپکٹر جمال نے ڈاکٹر شازیہ سے پوچھا۔

"جی! بالکل ملی تھی...... ڈاکٹر شازیہ نے چونکتے ہوئے کہا۔ "کیوں کیا ہوا؟"

"وہ...... وہ شہر کے بڑے عجائب خانے سے غائب ہوگئی ہے۔" انسپکٹر جمال نے کہا۔

"اوہ" حیرت کے باعث ڈاکٹر شازیہ کے منہ سے نکلا۔

☆......☆......☆

انسپکٹر جمال تھانے میں اپنے آفس میں بڑی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہا تھا تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شازیہ اندر داخل ہوئی۔ "آیئے ڈاکٹر صاحبہ بیٹھیے۔" انسپکٹر جمال اپنی کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا انسپکٹر صاحب آپ نے مجھے بڑی ایمرجنسی میں بلایا ہے۔" ڈاکٹر شازیہ نے بے چینی کے عالم میں پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحبہ رات غضب ہوگیا۔" انسپکٹر جمال پریشانی کے عالم میں بولا۔ "کیا ہوا انسپکٹر صاحب؟" ڈاکٹر شازیہ کی بے چینی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

"میں پہلے خاور صاحب اور محمود صاحب کو بلانا چاہتا تھا مگر اب مورتی میرے پاس ہے تو ان کا تو اس کیس سے تعلق رہا نہیں اب اس کیس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہیں اور اس پروجیکٹ پر آپ رہی ہیں سو میں نے سوچا آپ کو ہی بلوا لیا جائے۔" انسپکٹر جمال کہتا گیا۔

"ٹھیک ہے انسپکٹر صاحب آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن آپ یہ تو بتائیں ہوا کیا ہے؟ میری بے چینی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔" ڈاکٹر شازیہ بے زار لہجے میں بولی۔

"رات مجھ سے کوئی مورتی چھین کر لے گیا۔" انسپکٹر جمال نے بتایا۔

"کیا؟" ڈاکٹر شازیہ چلائی۔ "آپ سے چھین کر لے گیا؟"

"جی ہاں۔" وہ آدھی رات کا وقت ہوگا جب مجھے اچانک اپنے جسم میں ایک عجیب سی چبھن کا احساس ہوا میں نے آنکھیں کھولیں تو میرے سامنے ایک سڈول جسم کا مالک ایک نقاب پوش کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں سرنج پکڑی ہوئی تھی میں نے بولنا چاہا مگر شاید میرے ہونٹ میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے اور زبان تالو سے چپک سی گئی تھی صرف آنکھیں حرکت کر رہی تھیں...... انسپکٹر صاحب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آپ کا جسم حرکت کیوں نہیں کر رہا گھبرایئے نہیں یہ معاملہ صرف کچھ دیر کیلئے ہے یہ سارا کمال اس سرنج کا ہے جس نے کچھ گھنٹوں کیلئے آپ کا جسم بے کار کر دیا ہے یہ نوبت اس لئے آئی انسپکٹر صاحب کہ آپ سے یہ مورتی حاصل کرنی تھی اگر آپ کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جاتا تو یقیناً آپ مزاحمت کرتے سو مجبوراً مجھے یہ کام کرنا پڑا۔" اتنا کہہ کر اس نقاب پوش نے مجھے وہ مورتی دکھائی اور کہا اب آپ اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں آپ کو نیند آ جائے گی اور آپ جب دوبارہ بیدار ہوں گے تو آپ بالکل نارمل ہوں گے۔ اس نے کہا اور میرے کمرے سے باہر نکل گیا۔" انسپکٹر جمال نے اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔

"یہ تو بہت غلط ہوا انسپکٹر صاحب اس مورتی کے پیچھے اتنے سارے لوگ پڑے ہوئے تھے ان سب کا ضرور کوئی مقصد ہے اور وہ بھی غلط...... اور جہاں تک مورتی کا سوال ہے تو آپ اس کی طاقتوں سے بخوبی واقف ہیں وہ مورتی ایک قاتل مورتی ہے جس کے پاس وہ ہوتی ہے وہ اسے تباہ برباد کر دیتی ہے انسپکٹر صاحب کچھ کریں ورنہ وہ لوگ اس مورتی کے ذریعے تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیں گے۔" ڈاکٹر شازیہ کا لہجہ منت آمیز تھا۔

"تین دن ہوگئے ہیں ابھی تک میوزیم سے غائب لاش بھی نہیں ملی۔" انسپکٹر جمال اپنا سر پکڑتے ہوئے بولا۔

"اس لاش کا بھی اس مورتی سے یقیناً کوئی تعلق ہوگا...... انسپکٹر صاحب آپ کچھ کیجئے ورنہ وہ لوگوں کو تباہ و برباد کر دیں گے۔" ڈاکٹر شازیہ بولی۔ "لیکن۔" انسپکٹر جمال نے ابھی کہا تھا کہ ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا۔

"سر باہر" کانسٹیبل نے کہا۔ "انہیں اندر بھیج دو۔"

انسپکٹر جمال نے کہا تو کانسٹیبل نے اوکے سر کہہ کر سیلوٹ کر کے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمال کے کمرے میں ایک آدمی اندر داخل ہوا جس کا سر آدھا گنجا تھا۔ یہ سیٹھ امتیاز تھا۔ انسپکٹر جمال اس کا جسم دیکھ کر کسی سوچ میں پڑ گیا انسپکٹر کے کہنے پر وہ آفس میں پڑی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا انسپکٹر جمال نے دیکھا سیٹھ امتیاز کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے تھوڑی دیر پہلے کافی رویا ہو۔

"ان...... سپکٹر...... صا...... حب...... میں لٹ گیا۔" سیٹھ امتیاز نے کہا انسپکٹر جمال اور ڈاکٹر شازیہ چونکے۔

"کیا ہوا سیٹھ صاحب؟" انسپکٹر جمال حیرانگی کے عالم میں بولا ڈاکٹر شازیہ بھی عجیب نظروں سے سیٹھ امتیاز کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اس...... اس قاتل مورتی نے میرا گھر تباہ کر دیا۔" سیٹھ امتیاز بے اختیار روتے ہوئے بولا۔

"کیا؟" انسپکٹر جمال اور ڈاکٹر چلائے۔

"جی ہاں انسپکٹر صاحب وہ قاتل مورتی میری بیوی کو کھا گئی۔" سیٹھ امتیاز نے کہا۔

"لیکن سیٹھ صاحب آپ کے پاس وہ مورتی آئی کیسے؟" انسپکٹر جمال کا لہجہ الجھن آمیز تھا۔ "وہ...... وہ مورتی رات میں، میں ہی تو آپ کے پاس سے لے کر گیا تھا۔" سیٹھ امتیاز نے عجیب بات بتائی۔

"کیا......؟" انسپکٹر حیران ہوتے ہوئے بولا۔

"جج...... جی...... وہ مورتی میں نے ہی آپ کے گھر سے چرائی تھی۔ مگر وہ مجھے ہی لے ڈوبی میں نے جب آپ سے وہ مورتی چرائی تو میں گھر پہنچا اور میں نے وہ مورتی اپنے کمرے میں رکھ دی، اور جب میری آنکھ کھلی تو میرے بیوی کے دو ٹکڑے بیڈ پر پڑے ہوئے تھے اور سارا بیڈ خون میں نہایا ہوا تھا۔" سیٹھ امتیاز نے کہا تو انسپکٹر جمال اور ڈاکٹر شازیہ حیران رہ گئے۔

"تو کیا وہ مورتی آپ کو بھی نقصان پہنچا گئی؟" انسپکٹر جمال نے کہا۔ "جی ہاں...... وہ مورتی سب کی دشمن ہے کسی کی بھی دوست نہیں۔" سیٹھ امتیاز بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تو پھر آپ اس مورتی کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں کیوں لگے تھے؟" انسپکٹر جمال نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں اپنے لیے نہیں بلکہ وہ مورتی کسی اور کے لئے حاصل کر رہا تھا۔" سیٹھ امتیاز نے عجیب بات بتائی۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمال حیرانگی سے بولا۔

"جی آج میں یہ راز چھپا کر کیا کروں گا مجھے میرے کئے کی سزا مل چکی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ میرا یہ راز میری بیوی کو نہ پتہ چلے مگر وہ تو اس دنیا میں رہی نہیں...... اس لئے آج میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا کیونکہ یہ مورتی جب تک رہے گی بے قصور جانیں اسی طرح ضائع ہوتی رہیں گی۔"

"سیٹھ صاحب وہ کون لوگ ہیں جو یہ مورتی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمال اصل موضوع کی طرف آیا۔

"انسپکٹر صاحب میں آپ کو شروع سے ساری بات بتاتا ہوں میرے ایک دوست نے مجھے چھوٹی سی پارٹی پر گولڈن کلب میں انوائٹ کیا پارٹی کے اختتام پر میری ملاقات ایک خوبصورت لڑکی سے ہوئی اس وقت میں شراب کے نشے میں دھت تھا وہ لڑکی بھی شراب کے نشے میں تھی شراب کے نشے میں ہم ایسا خراب کھیل کھیل گئے جو مجھے میری ہی نظروں میں گرا گیا شرمندگی اور ندامت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ میں گھر پہنچا، شام کو گھر کا ایک ملازم میرے پاس آیا اور مجھے ایک سی ڈی دیتے ہوئے کہا "صاحب کوئی آپ کیلئے یہ سی ڈی دے گیا ہے۔"

میں نے وہ سی ڈی سی ڈی پلیئر پر چلائی تو ریموٹ کنٹرول میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس سی ڈی میں رات کو کیا گیا میرا گناہ ریکارڈ تھا میرا جسم اور میری ٹانگیں کانپنے لگیں اس وقت میرے موبائل کی رنگ ٹون بج اٹھی میں نے یس کا بٹن پریس کر کے موبائل کان سے لگایا۔ "سیٹھ صاحب ریکارڈنگ میں کسی قسم کی کمی تو نہیں رہ گئی۔" دوسری طرف سے ہنستے ہوئے پوچھا گیا۔

"کک...... کک...... کون ہو تم؟" میں لرزتے ہوئے بولا۔ "آپ کا دوست" دوسری طرف سے مسکراتے ہوئے پوچھا گیا۔

"کک...... کونسے دوست ہو تم...... دوست ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔" میں غصے سے بھڑک اٹھا۔

"دوست ہوں اسی لئے سیٹھ صاحب سی ڈی آپ کو بھیجی ہے ورنہ آپ کی بیوی کو بھی تو بھیج سکتا تھا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اس بلیک میلنگ کا مطلب کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بلیک میلنگ نہیں سیٹھ صاحب...... میں آپ سے ایک چھوٹا سا کام ہے اس کام کو کرنے کے بعد میں کو اسکی دوسری سی ڈی جو اصل ہے دے دوں گا۔" دوسری طرف کہا گیا۔

"کک...... کک کیا کام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک آدمی سے آپ کو ایک مورتی حاصل کرنی ہے۔" دوسری طرف سے بتایا گیا۔

"مورتی...... کیسی مورتی؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"اس بات کو چھوڑو!!! میں تمہیں سمجھاؤں گا کہ تمہیں وہ مورتی کیسے حاصل کرنی پڑے گی۔" اتنا کہہ کر دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

اس کے کہنے پر پھلواری گاؤں میں پروجیکٹ پر موجود ایک نوجوان داؤد سے ملا اسی کے کہنے پر میں نے اسے دس لاکھ روپے کی آفر پیش کی خیر وہ مان گیا پھر دوبارہ مجھے اس کا فون آیا کہ انہیں وہ مورتی مل چکی ہے اب وہ حاصل کرے، میں نے پھلواری گاؤں میں اپنے ایک آدمی کو دوڑ لیا اور داؤد سے رابطہ کیا تو اس کے ذریعے مجھے پتہ چل گیا کہ مورتی واقعی مل چکی ہے۔ میں نے داؤد سے کہا کہ وہ گاؤں کے بس اسٹاپ کی طرف پہنچے لیکن اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ اس دنیا سے کوچ کر گیا پھر دوبارہ میں نے اسی آدمی کے کہنے پر کسی خاور نامی کے بچے کو اغواء کروایا، اغواء کرنے والے آدمی اس کے تھے لیکن پھر کوئی وہاں موجود جگو کو زخمی کر کے اس بچے کو بھگا لے گیا پھر کل رات اس نے دوبارہ مجھے فون کیا اور آپ کے پاس وہ مورتی لینے کیلئے بھیج دیا لیکن وہ قاتل مورتی میرا گھر تباہ و برباد کر گئی۔" ساری تفصیل سنانے کے بعد سیٹھ رونے لگا۔ کافی دیر انسپکٹر جمال اور ڈاکٹر شازیہ روتے ہوئے سیٹھ امتیاز کو دیکھتے رہے۔

"سیٹھ صاحب اس وقت وہ مورتی کہاں ہے؟" انسپکٹر جمال بولا۔

"میرے پاس ہی ہے۔" اتنا کہہ کر سیٹھ امتیاز نے وہ مورتی نکال کر میز پر رکھ دی ڈاکٹر شازیہ نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر وہ مورتی پکڑی اور غور سے دیکھنے لگی۔ "سیٹھ صاحب وہ کون ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر جمال نے پوچھا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" سیٹھ امتیاز بے بسی کے عالم میں بولا ڈاکٹر شازیہ نے دیکھا مورتی کی کمر والا حصہ کافی نرم تھا ابھی ڈاکٹر شازیہ انگلی کی نوک سے اس حصے پر دباؤ ڈالنا چاہتی تھی کہ اس کے پرس میں موجود موبائل فون کی رنگ ٹون بج اٹھی، ڈاکٹر شازیہ نے وہ مورتی میز پر رکھی اور پرس سے موبائل نکالا اور یس کا بٹن پریس کیا اور موبائل کان سے لگایا۔

"باجی...... آپ...... آپ جو میرے لیے کھلونے لے کر آئی تھی وہ ان ظالموں نے توڑ دیئے۔" دوسری طرف کی آواز ڈاکٹر شازیہ کے کانوں میں پڑی تو خوف کے باعث ڈاکٹر شازیہ کا جسم کانپنے لگا۔ "تت...... تم......" ڈاکٹر شازیہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ انسپکٹر جمال اور سیٹھ امتیاز بھی ڈاکٹر شازیہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"ڈاکٹر صاحبہ آپ کا بھائی اس وقت میرے قبضے میں ہے۔" دوسری طرف سے ایک اور سخت مردانہ آواز ڈاکٹر شازیہ کے کانوں میں پڑی۔ "کک...... کون ہو تم؟" ڈاکٹر شازیہ نے پوچھا۔

"اس بات کو چھوڑیئے ڈاکٹر صاحبہ یہ سوچیے کہ آپ کا بھائی کامران میرے قبضے میں ہے آپ کو صرف کرنا یہ ہوگا کہ وہ سیٹھ امتیاز سالا غدار ہو گیا ہے آپ کو انسپکٹر جمال سے وہ مورتی حاصل کرنا ہوگی اور مجھ تک پہنچانا ہوگی۔ ڈاکٹر صاحبہ جلدی کریں جتنی دیر آپ کریں گی میں آپ کے بھائی کو تکلیف دیتا رہوں گا میں آپ کو ایک گھنٹے بعد فون کروں گا۔" اتنا کہہ کر دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر شازیہ کے قریب ایک گاڑی آکر رکی اور ڈاکٹر شازیہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی اس نے دیکھا ڈرائیونگ سیٹ پر جگو بیٹھا ہوا تھا۔ "موتی لے آئی ہو" جگو نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "ہاں۔" اتنا کہہ کر ڈاکٹر شازیہ نے وہ موتی پرس سے نکال کر دکھا دی اور اطمینان ہونے کے بعد جگو نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔ "اس پولیس والے کو تو پتہ نہیں چلا۔" جگو نے پوچھا۔ "نہیں" ڈاکٹر شازیہ نے مختصر سا جواب دیا۔ "تو پھر اس نے یہ موتی تمہیں کیسے دی۔" جگو نے پوچھا۔

"میں نے کہا کہ میں ایک ایسے آدمی کو جانتی ہوں جو اس موتی کے بارے میں ساری حقیقت بتا سکتا ہے۔ تو انسپکٹر جمال نے مجھے یہ موتی دے دی۔" ڈاکٹر شازیہ نے بتایا۔ "گڈ تم تو کافی سمجھدار ہو۔" جگو مسکرایا "تم مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو۔" ڈاکٹر شازیہ نے پریشان لہجے میں پوچھا۔ "تم پریشان مت ہو یہ موتی باس تم سے لے کر تمہیں اور تمہارے بھائی کو چھوڑ دے گا۔" جگو نے کہا۔

"آخر یہ موتی ہے کیا بلا جس کی وجہ سے اتنا کچھ ہو رہا ہے۔" ڈاکٹر شازیہ بولی۔

"یہ تو باس ہی جانتا ہے۔" جگو نے کندھے اچکائے۔ "میں تو خود نیا نیا آیا ہوں باس کے خاص آدمی تو استاد اور کرموں تھے لیکن وہ دونوں بھی اس موتی کا شکار ہو گئے آج اس موتی کی جو بھی حقیقت ہے وہ سامنے آ جائے گی۔" جگو نے کہا۔

گاڑی اب پھلواری گاؤں جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ "یہ تم گاڑی لے کر کہاں جا رہے ہو؟" ڈاکٹر شازیہ نے حیران کن لہجے میں پوچھا۔ "وہیں جہاں سے یہ کہانی شروع ہوئی تھی۔"

جگو نے گاڑی ایک خیمے کے پاس لے جا کر روک دی وہ دونوں گاڑی سے نیچے اترے۔ "خیمے کے اندر چلو۔" اب جگو کا لہجہ یکدم سخت ہو گیا تھا ڈاکٹر شازیہ خیمے میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا خیمے میں ایک لمبی سی میز پڑی ہوئی تھی جس پر ایک حنوط شدہ کالے رنگ کی لاش پڑی ہوئی تھی اس میز کے پاس ایک نقاب پوش کھڑا تھا ایک طرف دو اسلحہ بردار کے درمیان ایک نوجوان ایک ٹوٹا کھلونا پکڑے کھڑا تھا "باجی...... آپ" نوجوان چہکا۔

"ہاں میں آ گئی تم فکر مت کرو" ڈاکٹر شازیہ مسکراتے ہوئے بولی وہ لڑکا جو ڈاکٹر شازیہ کا بھائی تھا ڈاکٹر شازیہ کی طرف بھاگنے لگا مگر ایک اسلحہ بردار نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ "باجی" کامران چیخا۔

"بھیا آپ وہیں کھڑے رہو یہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔" ڈاکٹر شازیہ نے پیار سے کامران کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحبہ معافی چاہتا ہوں میں نے اس کے کھلونے توڑ دیے۔" نقاب پوش کی آواز میں ہنسی شامل تھی۔

"تم لوگوں کا کام ہی اس طرح کا ہے یہ تو کھلونے تھے پھر آ جائیں گے لیکن تم تو لوگوں کی زندگی کو بھی کھلونا سمجھتے ہو......" ڈاکٹر شازیہ نفرت انگیز لہجے میں بولی۔

"ڈاکٹر صاحبہ لگتا ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔" نقاب پوش نے کہا۔

"نہیں یاد تو پڑتا ہے کہ یہ آواز میں نے کہیں سنی ہے مگر کہاں یہ یاد نہیں آ رہا۔" ڈاکٹر شازیہ دماغ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"خیر چھوڑیں پہلے اصل کام کر لیں پھر بعد میں تسلی سے تعارف ہوگا لائیے وہ موتی مجھے دے دیں۔" نقاب پوش نے کہتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"نہیں پہلے میرے بھائی کو چھوڑو" ڈاکٹر شازیہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحبہ شاید آپ ہوش میں نہیں ہیں ارد گرد دیکھئے اس وقت آپ بارگیننگ کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ پھر بھی میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کام کے ختم ہوتے ہی میں آپ کو اور آپ کے اس پاگل بھائی کو چھوڑ دوں گا۔" نقاب پوش اس دفعہ سخت لہجے میں بولا ڈاکٹر شازیہ نے بے بسی کے عالم میں وہ موتی نقاب پوش کو پکڑا دی۔ "گڈ...... دیکھا جگو میں نا کہتا تھا کہ ڈاکٹر شازیہ کافی



سمجھدار لڑکی ہے۔" نقاب پوش نے جگو کی طرف دیکھا تو جگو جواباً مسکرا دیا۔

نقاب پوش ٹیبل کے پاس آیا اور موتی کو اس لاش پر پیٹ کے مل رکھ دیا۔ "ڈاکٹر صاحبہ یہ وہی لاش ہے جو میوزیم سے غائب ہوئی تھی اور یہاں زمین میں دھنسے محل سے ملی تھی اس لاش کو میں نے ہی میوزیم سے غائب کروایا تھا۔" اتنا کہہ کر اس نقاب پوش نے موتی کی کمر والا نرم حصہ دبا دیا موتی سے تیز سفید رنگ کی شعاعیں نکلیں اور اس لاش پر پڑنے لگیں ساتھ ہی "گڑ گڑ" کی تیز آواز پیدا ہونی شروع ہوئی زمین بھی بری طرح کانپنے لگی جیسے زلزلہ آیا ہو اور پھر نجانے کہاں سے اس لاش پر گوشت چڑھنا شروع ہو گیا۔

خیمے میں موجود سارے افراد حیرانگی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے تھوڑی دیر بعد وہاں خوفناک شکل و صورت کا آدمی لیٹا ہوا تھا جسے دیکھ کر بے اختیار ڈاکٹر شازیہ کے منہ سے چیخ نکل گئی اور ایک طرف کھڑا کامران بھی خوف سے تھر تھر کانپنے لگا، اس آدمی نے آنکھیں کھولیں تو وہ خون کی طرح سرخ تھیں۔

نقاب پوش نے جلدی سے وہ موتی لاش پر سے اٹھائی تو وہ لاش اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس کی رنگت مکمل سیاہ تھی اس کے لمبے لمبے بال تھے جو پیچھے کی طرف تھے اور کمر تک پہنچے ہوئے تھے۔ "میری موتی کہاں ہے؟" وہ لاش نما آدمی غصے سے بولا اس آدمی کی آواز اتنی تیز اور خوفناک تھی کہ بے اختیار وہاں موجود سب افراد نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ "وہ...... وہ میرے پاس ہے......" نقاب پوش نے کہا شاید وہ بھی اندر سے گھبرایا ہوا تھا۔

"میری موتی مجھے دے دو...... ورنہ میں تمہیں جلا کر خاک کر دوں گا۔" وہ آدمی غصے سے چیخا اس آدمی کی آواز اتنی خوفناک تھی کہ خیمے میں موجود سبھی افراد تھر تھر کانپ رہے تھے۔ "یہ موتی میں تمہیں ضرور دوں گا لیکن پہلے تمہیں میرے کچھ حکم ماننا ہوں گے۔" نقاب پوش بھی اس دفعہ غصے سے چیخا۔

"آپ جو کہو گے میں کروں گا۔" وہ آدمی یکدم مودبانہ لہجے میں بولا۔ ادب کے لہجے میں بھی اس کی آواز اتنی خوفناک تھی کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ نقاب پوش کو حکم دے رہا ہو اس آدمی نے ہاتھ اوپر کیے تو ہر طرف اندھیرا چھا گیا اتنا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا جب اندھیرا چھٹا تو وہ ایک بہت ہی خوبصورت محل کے سامنے کھڑے تھے سب حیرانگی سے اس خوبصورت محل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "یہ ہے آپ کا محل جسے میں نے زمین کی قید سے آزاد کرایا ہے۔" اس نے دوبارہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر کیے اب سب حیرانگی سے ارد گرد دیکھ رہے تھے اب وہ ایک بہت بڑے اور خوبصورت ہال میں کھڑے تھے ایسا ہال جو پرانے زمانے کے بادشاہوں کے دربار جیسا تھا پورا ہال روشنی میں نہایا ہوا تھا سامنے ایک چبوترے پر ایک خوبصورت تخت پڑا ہوا تھا۔

"یہ...... یہ محل......" نقاب پوش نے حیرانگی سے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا محل ہے جو اب آپ کا ہے۔" اس آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا اس کی مسکراہٹ بھی بڑی خوفناک تھی۔

ایک طرف کھڑے جگو نے اپنی جیب سے ایک آلہ نکالا اور اس پر لگا بٹن دبا کر جلدی سے وہ آلہ جیب میں ڈال لیا تھا اسی وقت پولیس کی وردیوں میں دس پندرہ کانسٹیبل اندر داخل ہوئے۔ "خبردار کسی نے بھی کسی قسم کی حرکت کرنے کی کوشش کی تو بھون ڈالیں گے۔" ان میں سے ایک گرجتے ہوئے بولا سب اچانک اتنے کانسٹیبلوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے اسی وقت ہال نقاب پوش کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ "یہ پولیس والے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ شماکا انہیں سبق سکھاؤ۔" نقاب پوش نے اس خوفناک شکل والے آدمی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"جو حکم" وہ آدمی قہقہہ لگاتے ہوئے بولا ساتھ ہی اس آدمی نے اپنے دونوں ہاتھوں کا اشارہ ہال کے فرش کی طرف کیا ہال کا فرش یکدم ریت کی طرح نرم ہو گیا اور سب افراد اس میں دھنسنا شروع ہو گئے۔ "بب...... بچاؤ" کئی آوازیں ابھریں ان سب افراد کے جسم کا آدھا حصہ زمین میں دھنس گیا صرف سینہ اور سر باہر تھے۔

"بب...... باجی۔" کامران چیخا اس نے دوبارہ ڈاکٹر شازیہ کی طرف بھاگنا چاہا مگر پیچھے کھڑے اسلحہ بردار

نے ان کی کوششیں ناکام کردی جگو بھی نقاب پوش کے پیچھے کھڑا تھا۔ ایک مرتبہ پھر نقاب پوش کے قہقہوں سے ہال گونج اٹھا۔ ”میں تم سب کو ختم کردوں گا۔“

نقاب پوش نے اپنا نقاب اتارا۔ نقاب پوش کا چہرہ دیکھ کر سب دنگ رہ گئے خاص طور پر ڈاکٹر شازیہ ”تت.....تت.....تم تو“ حیرت کے باعث ڈاکٹر شازیہ کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے۔

”ہاں شازیہ میں تو پاگل تھا تو پھر ٹھیک کیسے ہوگیا۔“ وہ نوجوان مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس سارے کھیل کے پیچھے تم ہوگے داؤد!!“ ڈاکٹر شازیہ یقین نہ آنے والے لہجے میں بولی۔ داؤد کے پیچھے کھڑا جگو بھی حیرت بھری نظروں سے داؤد کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ.....یہ سارا کھیل کس لئے داؤد؟“ ڈاکٹر شازیہ نے پوچھا۔ ”ہاں اب میں ساری حقیقت بتاتا ہوں، ویسے بھی تم سب کو مر جانا ہے۔“ داؤد نے ہنستے ہوئے کہا ”کیا مطلب؟“ کئی آوازیں ابھریں.....میں لوگوں کو تباہ و برباد کروں گا ان سارے لوگوں کو غلام بنانا ہی تو میرا مقصد ہے۔“ داؤد مغرورانہ لہجے میں بولا۔ ”یہ جورا کا جادوگر کھڑا ہے نا شازیہ اسی کے ذریعہ میں دنیا پر حکومت کروں گا تم اسے نہیں جانتی۔ میں تمہیں ساری بات شروع سے بتاتا ہوں پچھلی دفعہ کھدائی کے ذریعے ہمیں ایک گاؤں کے آثار ملے جو کافی پرانا تھا وہاں سے مجھے ایک بوسیدہ کتاب ملی وہ کتاب کسی کی آپ بیتی تھی وہ کتاب تقریباً صدیوں پہلے کی تھی اس دور میں شاکا نامی ایک جادوگر تھا جس کا خوف ہر طرف پھیلا تھا وہ اتنا ظالم تھا کہ لوگوں کا خون پیتا تھا تو جوانوں کو زنجیروں سے باندھ کر بھوکا پیاسا رکھتا ان کی تکالیف اور بے بسی پر قہقہے لگاتا وہ اتنا ظالم تھا کہ اس کے غلام بھی اس سے بہت تنگ تھے مگر وہ اس کی طاقتوں سے بخوبی واقف تھے۔

ایک دفعہ ایک نوجوان کو شاکا جادوگر کی موت کے راز کا پتہ چل ہی گیا جادوگر کی طاقتیں ایک مورتی میں قید تھیں اس نے گاؤں والوں کو بتایا تو گاؤں کے بزرگوں نے رائے دی کہ وہ کسی طرح وہ مورتی حاصل کرلیں تو پھر گاؤں والے اس جادوگر پر دھاوا بول دیں گے۔ نوجوان غلام نے شاکا جادوگر کے سوتے میں وہ مورتی چرائی اور گاؤں والوں نے بے خبر شاکا جادوگر پر حملہ کردیا اور تلواروں سے جادوگر کا کام تمام کردیا۔ گاؤں والوں نے جادوگر کی لاش پر پٹیاں باندھ دیں اور ایک صندوق میں بند کردیا۔ گاؤں والے یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ جادوگر ابھی ختم نہیں ہوا کیونکہ جب تک وہ مورتی سلامت تھی تو جادوگر بھی زندہ تھا لیکن وہ مورتی تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

وہ لوگ آگ میں مورتی کو پھینکتے تو آگ یکدم بجھ جاتی بار بار یہ عمل کیا گیا مگر آگ ہر دفعہ بجھ جاتی، پھر لوہے کے اوزاروں سے مورتی کو توڑنے کی ناکام کوششیں کی گئیں مگر وہ اوزار ٹوٹ گئے مگر مورتی نہ ٹوٹی گاؤں کے بزرگوں نے ہر ایک کا آنا جانا اس محل سے بند کردیا محل میں خزانہ بھی تھا مگر ڈر اور خوف کی وجہ سے کسی نے بھی اس خزانے کو چھوا بھی نہیں۔

اس کتاب میں مزید یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ اگر آج بھی کوئی انسان اگر اس مورتی کو حاصل کرکے مورتی کو پیٹ کے بل اس لاش پر لگا کر مورتی کی کمر پر موجود نرم حصہ دبائے تو وہ جادوگر دوبارہ زندہ ہوجائے گا اس مورتی کے ذریعے وہ آدمی پوری دنیا پر حکومت کرسکتا ہے کتاب میں پھلواری گاؤں کا نقشہ بھی موجود تھا اب میں نے اس مورتی کو حاصل کرنے کا پلان بنایا۔ میں نے پروفیسر عباس کو ایک گمنام فون کیا اور پھلواری گاؤں کا بتا کر کہا کہ وہ اگر وہاں کھدائی کرے تو اسے وہاں سے بہت کچھ ملے گا خیر پروفیسر عباس نے میری بات مان لی اور یہاں کھدائی کا کام شروع کروادیا جب میں اور پروفیسر عباس روبرو ہوئے تھے تو اس وقت میرا ایک خاص آدمی پروفیسر عباس سے بات کرتا تھا میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہاں ہونے والے خوفناک واقعات کی وجہ یہ مورتی ہے۔“

مجھے ایک اور آدمی کی ضرورت تھی جسے میں وقت آنے پر قربانی کا بکرا بناؤں اور خود صاف صاف بچ نکلوں اس کام کیلئے مجھے سیٹھ امتیاز معقول لگا میں نے لڑکی ماریہ کے ذریعے اسے اپنا غلام بنایا شراب میں نشہ تو تھا ہی مگر ماریہ نے سیٹھ امتیاز کی ڈرنک میں ایک نشہ آور دوا بھی ڈال دی نشے کے ساتھ لڑکی ہو تو آدمی گمراہ تو ہو ہی جاتا ہے میں نے سیٹھ امتیاز کے رات بھر کیے گئے کارناموں کو ریکارڈ کیا اور اسے اپنے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلی بنالیا۔

مورتی ملنے پر حیرانگی والی بات یہ ہوئی کہ پروفیسر عباس کی خوفناک موت ہوگئی، یہ مورتی میں موجود جادوگر کی طاقتوں کا کام تھا جادوگر کی طرح اس کی طاقتیں بھی بہت ظالم تھیں میں چاہتا تھا کہ میں یہ مورتی سیٹھ امتیاز کے بھیجے گئے آدمی کے حوالے کردوں بعد میں میں خود ہی یہ مورتی سیٹھ امتیاز سے حاصل کرلوں گا مگر یہ مورتی اتنی ظالم کہ اس نے مجھے بھی دھوکہ دے دیا اور میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ میں نے مورتی پر ایک چھوٹی سی چپ لگادی تھی جس کی وجہ سے مجھے مورتی کی موجودگی کا علم تھا۔ میں نے پروفیسر عباس کے خیمے میں ایک چھوٹا سا کیمرہ اور ایک آلہ لگا رکھا تھا جس سے میں اس کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتا تھا۔

ایکسیڈنٹ کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو اسپتال میں پایا وہاں مجھے میرے آدمی نے آگاہ کیا کہ ایک انسپکٹر جس کا نام انسپکٹر جمال ہے بار بار یہاں آتا ہے اور ڈاکٹر سے میرے ہوش میں آنے کا پوچھتا ہے مجھے حیرانگی ہوئی پھر میں سمجھ گیا کہ ضرور اس انسپکٹر کو میرے خیمے میں موجود وہ آلات مل چکے ہوں گے جس کے ذریعے میں پروفیسر عباس پر نظر رکھتا تھا۔“ یہاں تک کہہ کر داؤد سانس لینے کیلئے رکا تو ڈاکٹر شازیہ حیرانگی سے بولی۔ ”انسپکٹر جمال“

”ہاں انسپکٹر جمال“ میں نے ڈاکٹر کو رشوت دی اور یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ میں دماغی طور پر پاگل ہوچکا ہوں۔ میں نے پاگل خانے کے انچارج ڈاکٹر کو بھی خرید لیا پھر کچھ دن بعد میں نے ایک دو دن پہلے اخبار پر نظر ڈالی تو اس میں محمود کی بیوی کی موت کے بارے میں خبر چھپی تھی میں سمجھ گیا کہ یہ اسی مورتی کا کام ہے۔ قدرت مجھ پر ہر طرح مہربان تھی، پاگل خانے میں تمہارے پاگل بھائی کے بارے میں بھی پتہ چلا تو پاگل پن میں میں نے تمہیں محمود کے گھر کی طرف متوجہ کیا اور مورتی کی کہانی سنائی، آدھی مدد ڈاکٹر آصف نے کی میں چاہتا تھا کہ تم وہ مورتی حاصل کرلو بعد میں میں تم سے خود حاصل کرلوں گا کیونکہ تم محمود کے ذریعے خاور تک پہنچ سکتی تھی۔

مورتی پر لگی چپ نے یہ تو بتا دیا تھا کہ مورتی خاور کے گھر میں موجود ہے۔ ادھر میں نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے خاور کے بیٹے حمزہ کو اغواء کروالیا لیکن میرے اڈے سے حمزہ کو کوئی چھوڑا کر لے گیا اب یہ تو معلوم نہیں تھا کہ وہ بچہ کہاں گیا اور اسے کون لے گیا۔ حمزہ کو لے جانے والے شخص نے جگو کو زخمی کردیا تھا۔ میں نے خاور کے گھر اپنے دو آدمیوں کو بھیج دیا لیکن وہ مورتی کا شکار ہوگئے۔ مورتی پھلواری گاؤں میں ایک مرتبہ پھر پہنچ گئی، ادھر میں نے میوزیم سے لاش غائب کرادی اور انسپکٹر جمال دوبارہ شہر میں آیا تو میں نے سیٹھ امتیاز پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا کہ وہ تم سے مورتی حاصل کرے۔ خیر اس نے وہ مورتی حاصل کرلی لیکن سیٹھ امتیاز کی بیوی بھی اس مورتی کی طاقتوں کا شکار ہوگئی اور اس نے وہ مورتی انسپکٹر جمال کو پکڑا دی، اب جو آخری آدمی میرے ذہن میں آیا وہ تھا تمہارا بھائی اور باقی بات تو تم جانتی ہی ہو یہ ہے کل کہانی“ یہاں تک کہہ کر داؤد خاموش ہوگیا۔

”دیکھو داؤد دنیا پر بہت سے لوگوں نے حکومت کرنے کی کوشش کی مگر وہ خاک میں مل گئے ایک دوست کے ناطے میں تمہیں مشورہ دیتی ہوں یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو ورنہ تم تباہ ہوجاؤ گے۔“ ڈاکٹر شازیہ نے کہا۔

”نہیں شازیہ میرا خواب اب پورا ہوگا میں تنگ آگیا ہوں اس کھدائی والے کام سے اب بیٹھ کر اس دنیا پر حکومت کرنا چاہتا ہوں۔“ داؤد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن مسٹر داؤد میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دوں گا۔“ اتنا کہہ کر جگو نے پاس کھڑے داؤد کی کنپٹی پر ریوالور رکھ دیا۔ ”یہ.....یہ کیا جگو“ داؤد حیرت زدہ لہجے میں بولا۔ ”جگو نہیں، انسپکٹر جمال کہو۔“ جگو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”کیا؟“ داؤد چلایا۔

”ہاں داؤد میں انسپکٹر جمال ہوں میرے چہرے پر ماسک موجود ہے تم کیا سمجھتے تھے میں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا، میں جگو بن کر تمہارے گروہ میں شامل ہوا، یہ میری خوش قسمتی تھی کہ استاد اور کرمو تمہارے آدمی نکلے۔

ورنہ مجھے کافی محنت کرنا پڑتی جب میں پھلواری گاؤں پروفیسر عباس کی موت پر آیا تو مجھے تمہارے خیمے سے بات چیت سننے والے آلات ملے اور جو چپ تھی وہ پروفیسر عباس کے خیمے میں لگی ہوئی تھی لیکن پھر جب مجھے پتہ چلا کہ تم پاگل ہو گئے ہو تو میرا دھیان تم سے ہٹ گیا۔ استاد اور کرمو کے گروہ میں اس طرح شامل ہوا کہ میں نے اخبار میں ایک عجیب اشتہار دیکھا جس میں لکھا تھا کہ "مالک مکان اپنا مکان بیچنا چاہتا ہے اور خریدار چاہیے۔" لیکن جب میں نے اسکی تفصیل پڑھی تو میں سمجھ گیا کہ ضرور یہ کوئی غلط گروہ ہے جسے کوئی آدمی چاہیے، میں نقاب پہن کر اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ میں پہلے جس کیس کو حاصل کرنا چاہتا تھا وہی کیس پھر میرے سامنے آ گیا۔" اتنا کہہ کر انسپکٹر جمال نے ریوالور کا دباؤ داؤد کی کنپٹی پر بڑھا دیا اور بولا۔ "اب یہ مورتی میرے حوالے کر دو۔"

"شاکا اسے سبق سکھاؤ۔" داؤد یکدم چیختے ہوئے بولا۔ شاکا نے انسپکٹر جمال کی طرف دیکھا تو اس کے ہاتھ میں موجود ریوالور غائب ہو گیا اور انسپکٹر جمال بغیر کسی سہارے کے ہوا میں معلق ہو گیا۔

اسی وقت ڈاکٹر شازیہ کے بھائی کامران نے عجیب حرکت کی، وہ دونوں اسلحہ بردار آدمیوں کے نرغے سے باہر نکلا اور داؤد کے ہاتھ میں پکڑی مورتی چھین کر ڈاکٹر شازیہ کی طرف بھاگا، بدحواسی کے عالم میں داؤد بھی اس کے پیچھے بھاگا۔

"یہ......یہ......آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں اس کی" کامران مورتی کی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا جو دو سرخ رنگ کے موتی تھے۔ کامران ایک جگہ رکا اس نے مورتی میں آنکھ کی جگہ لگے ایک موتی کو زور سے کھینچا تو ہال میں ایک زوردار چیخ گونجی، وہ چیخ اتنی زوردار تھی کہ سب کو اپنے کان کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہوئے وہ چیخ شاکا کی تھی۔

"شاباش کامران......ان دونوں موتیوں کو کھینچ کر الگ کر دو۔" ڈاکٹر شازیہ مسکراتے ہوئے بولی تو کامران نے یکے بعد دیگرے دونوں موتی کھینچ کر الگ کر دیے۔ پھر تو

پورا ہال کربناک چیخوں سے گونج اٹھا۔

داؤد بھی ایک جگہ رک کر حیرانگی سے شاکا کی طرف دیکھنے لگا۔ جس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ "اس نے مجھے ختم کر دیا ان دو موتیوں میں ہی میری جان تھی۔" شاکا چیختے ہوئے بولا ساتھ ہی پورے ہال میں سیاہ اندھیرا چھا گیا اس اندھیرے میں شاکا کی خوفناک چیخیں شامل تھیں۔

جب اندھیرا چھٹا تو سارے لوگ حیرانگی سے اردگرد دیکھنے لگے۔ وہ سب ایک کھلے میدان میں کھڑے ہوئے تھے اور وہ قاتل مورتی جس نے اب تک کئی جانیں لیں تھیں بڑی آسانی سے ختم ہو گئی تھی۔

"میں......میں اس پاگل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اتنا کہہ کر داؤد غصے کے عالم میں تیزی سے ایک طرف کھڑے کامران کی طرف بڑھا۔ انسپکٹر جمال بھی تیزی سے داؤد کے پیچھے بھاگا اس سے پہلے کہ داؤد کامران پر حملہ کرتا انسپکٹر جمال نے ایک زوردار لات داؤد کی کمر پر دے ماری اور داؤد چیختا ہوا منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

"گرفتار کر لو......اس حرامزادے کو۔" انسپکٹر جمال نے غصے سے کہا اور کانسٹیبلوں نے آگے بڑھ کر داؤد کو پکڑ لیا۔

اب یہ قافلہ شہر کی طرف بڑھا......داؤد اور اس کے دو ساتھی پولیس جیپ میں ہتھکڑیوں کی قید میں موجود تھے۔

"انسپکٹر صاحب آپ تو چھپے رستم نکلے۔" ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو جواباً انسپکٹر جمال بھی مسکرا دیا۔

"ویسے کم تو آپ کا بھائی بھی نہیں وہ بھی آپ کی طرح بہادر نکلا اصل ہیرو تو وہی ہے۔" انسپکٹر جمال نے کہا تو ڈاکٹر شازیہ مسکرا دی۔

"ویسے انسپکٹر صاحب آپ کے سر پر چوٹ کیسے لگی؟" ڈاکٹر شازیہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحبہ آپ نے مارا تو سر پر تھا مگر چوٹ دل پر لگی ہے۔" انسپکٹر جمال نے کہا تو ڈاکٹر شازیہ دھیرے سے مسکرا دی۔

